علمی و تحقیقی مجلّہ

الاحسان

شمارہ نمبر 1
جنوری۔جون 2014ء

سرپرست اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر ذاکر حسین

(وائس چانسلر، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد)

مدیر اعلیٰ:

پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس

(ڈین، فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ)

مدیر:

ڈاکٹر افتخار احمد خان

معاون مدیرہ:

ڈاکٹر عمرانہ شہزادی

More Light

مرکز برائے مطالعۂ تصوف
شعبہ علوم اسلامیہ و عربی
جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

فہرست

تلاشِ احسن 5

ڈاکٹر ہمایوں عباس

احسان کیا ہے 7

میرزا امجد رازی

تصوف کی حقیقت۔لغوی واصطلاحی تعریفات کے تناظر میں 27

محمد رمضان

تصوف کے مآخذ سے متعلق بعض آراء کا جائزہ 41

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین الکردیؒ ، مترجم: ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی

صوفی اِزم میں عورت کا مقام و کردار 60

ڈاکٹر عمرانہ شہزادی

تفسیرِ اشاری کے رجحان کا ارتقائی جائزہ 78

حافظ محمد احسن رضا

سیّد اشرف جہانگیر سمنانی اور ان کی تصنیف لطائف اشرفی (ایک جائزہ) 96

ڈاکٹر محمد حسین آزاد

سید ہجویریؒ کا علمی مقام: کشف المحجوب کے تناظر میں 128

حافظ ذوالفقار علی

سلسلہ شاذلیہ کے صوفیانہ افکار کا تحقیقی جائزہ 146

(متقدمین صوفیاء شاذلیہ کے افکار کی روشنی میں) ڈاکٹر غلام شمس الرحمن

مقامِ شکر در کشف المحجوب 165

ڈاکٹر محمد صابر، ڈاکٹر غلام اکبر

Editorial Board

Dr. Muhammad Ishaq Qureshi,
Pir Muhammad Amin-ul-Hasnat Shah
Khawaja Qutab-ud-Din Faridi,
Muhammad Afzal Saeed,
Bushra Fazal
Dr. Ghulam Akbar, Dr. Matloob Ahmad,
Dr. Sher Ali, Hafiz Asif Ali Raza
Fakhar-uz-Zaman, Meerza Amjad Raazi

Advisory Board

National

Dr. Muhammad Akram Virk, Dr. Hafiz Muhammad Sajjad,
Prof. Muhammad Iqbal Mujadadi, Dr. Abdul Ghani Sheikh
Dr. Durmush Bulgur, Dr. Mumtaz Ahmad Sadidi

International

Dr. Munir Azhari (Egypt), Dr. Abdul Ghaffar Azm (England)
Dr. Aleem Ashraf Jayesi (India), Dr. Mushtaq Tajarvi (India)
Dr. Kausar Mustafa (Bangladesh)
Dr. Muhammad Hussain Muhammadi (Iran)

Price: 400/-

Tasawwuf Study Centre,
Department of Islamic Studies & Arabic
Govt. College University, Faisalabad.
Contact : +92-041-9201559 , Mobile: 0300-6659771
E.mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk
E.mail: dr.iftikhar747@yahoo.com
0333-6531747/0322-6531747

گذارشات

۱۔ششماہی مجلّہ الاحسان کے لیے اُردو، عربی، فارسی، انگریزی اردو دنیا کی کسی بھی زبان میں غیر مطبوعہ مقالات جو تصوف سے متعلق ہوں، ارسال کئے جاسکتے ہیں۔

۲۔طبع زاد مضامین کے علاوہ دوسری زبانوں کے تصوف کے تحقیقی مقالات کے اُردو تراجم کو بھی شامل کیا جائے گا۔

۳۔مقالات A4 سائز پر ایک جانب کمپوز کروا کر بھیجیں۔

۴۔حروف کا سائز ۱۳ پوائنٹ ہو۔ مقالے کے ساتھ انگریزی زبان میں اسکی تلخیص ضرور شامل کی جائے جو اندازاً ۱۰۰ الفاظ پر مبنی ہو۔

۵۔صفحہ کا مارجن دائیں 2.5 بائیں 1.0 اوپر 1.0 نیچے 2.0 ہو۔

۶۔وہی مقالات قابل اشاعت ہوں گے جن کے ہمراہ سی ڈی بھی ہو یا وہ برقی پتہ (ای میل) کے ذریعے بھیجے گئے ہوں۔ نیز کمپوزنگ کسی ماہر کمپوزر سے کروائیں۔

۷۔مقالہ کے حواشی و حوالہ جات اور کتابیات پر خصوصی توجہ دی جائے اور اس حوالے سے مروجہ، معیاری طریقہ پر عمل کیا جائے۔

۸۔الاحسان میں کسی مقالہ کی اشاعت کے لیے ادارہ کی طرف سے نامزد کردہ ماہرین کی تائید ضروری ہے، نیز ناقابل اشاعت تحریروں کی مصنفین کو واپسی کی ذمہ داری ادارہ قبول نہیں کرے گا۔

۹۔مدیر مقالہ نگاروں کو ماہرین کی آراء سے آگاہ کرے گا۔ نیز اگر کسی مقالہ میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی تو اس کے لیے بھی مقالہ نگار سے درخواست کی جائے گی۔

۱۰۔مقالہ پندرہ صفحات سے کسی بھی صورت متجاوز نہ ہو۔

۱۱۔مقالہ اُردو پروگرام Inpage میں کمپوز کیا جائے۔

۱۲۔اشاعت کی صورت میں مقالہ نگار کو مجلّہ کو دو اعزازی نسخے روانہ کئے جائیں گے۔

۱۳۔الاحسان میں اشاعت کے لئے اپنی نگارشات / خطوط / کتابیں اس پتہ پر روانہ کریں۔

مرکز برائے مطالعہ تصوف

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، قائد اعظم بلاک، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد، پاکستان

Contact : +92-041-9201559, Mobile: 0300-6659771
E.mail: dr.iftikhar747@yahoo.com E.mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk
0333-6531747/0322-6531747

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، پیر محمد امین الحسنات شاہ، خواجہ قطب الدین فریدی، محمد افضل سعید،
بشریٰ فضل، ڈاکٹر غلام اکبر، ڈاکٹر مطلوب احمد، ڈاکٹر شیر علی، حافظ آصف علی رضا،
فخر الزمان، میرزا امجد رازی

مجلسِ مشاورت:

قومی:

ڈاکٹر محمد اکرم ورک، ڈاکٹر حافظ محمد سجاد، پروفیسر محمد اقبال مجددی
ڈاکٹر عبدالغنی شیخ، ڈاکٹر دُرمُش بُلگر، ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی

بین الاقوامی:

ڈاکٹر منیر ازھری (مصر)، ڈاکٹر عبدالغفار عزم (برطانیہ)
ڈاکٹر علیم اشرف جائسی (بھارت)، ڈاکٹر مشتاق تجاروی (بھارت)
ڈاکٹر کوثر مصطفیٰ (بنگلہ دیش)، ڈاکٹر محمد حسین محمدی (ایران)

قیمت: -/400

More Light

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
Contact : +92-041-9201559 , Mobile: 0300-6659771
E.mail:drhumayunabbas@gcuf.edu.pk
E.mail: dr.iftikhar747@yahoo.com
0333-6531747/0322-6531747

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تلاشِ احسن

جامعات کا مقصد تحقیق ہی نہیں تحقیقی جذبہ کو پروان چڑھانا بھی ہے۔ دنیا میں جامعات کی درجہ بندی بھی تحقیقی میدان میں کامیابیوں سے جڑی ہوئی ہے۔ اسی لیے یہ مراکزِ علم و دانش معاشرہ کے شعور کی اکائی سمجھے جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد اپنے تحقیقی و علمی کارہائے نمایاں کی وجہ سے پاکستان کی پانچویں یونیورسٹی ہے۔ اس کو یہ مقام اور درجہ دلانے میں علم دوست وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ذاکر حسین کا کردار قابلِ تعریف و تحسین ہی نہیں، لائقِ تقلید بھی ہے۔ جامعہ میں ریسرچ کلچر کے فروغ میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش اور فقید المثال ہیں۔

شعبہ علوم اسلامیہ و عربی نے شیخ الجامعہ کی نگرانی میں تحقیقی میدان میں نمایاں کارکردگی دکھائی۔ سیمی نارز، کانفرنسز کے علاوہ ''ضیائے تحقیق'' کی اشاعت اور خصوصی طور پر ''سیرت نمبر''، ''سیرت چیئر'' اور ''تصوف سٹڈی سنٹر'' کا قیام گذشتہ تین سال کی نمایاں علمی کاوشیں ہیں۔

تصوف صیانتِ عقیدہ اور قیامِ امن کا بہتر اور مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ قرآن کریم نے اس کو تزکیہ اور حدیث میں ''الاحسان'' کہا گیا ہے۔ عصری، معاشرتی ناہمواریوں اور فکری کج رویوں کی اصلاح کی خوبصورت کوشش صوفیہ کے افکار کے فہم سے ہی ممکن ہے۔ تصوف کو علمی روایت کے طور پر پیش کرنے کے لیے ''تصوف سٹڈی سنٹر''، جی۔ سی یونیورسٹی، فیصل آباد نے ''الاحسان'' کے اجراء کا فیصلہ کیا ہے۔ اُمید ہے کہ فکری راست روی کے فروغ میں یہ علمی و تحقیقی مجلہ اپنا کردار ادا کرے گا۔ پاکستان کی جامعات میں تصوف پر یہ پہلا تحقیقی مجلہ ہے جو مقالاتِ تصوف کے لیے مختص ہے۔ اُمید ہے کہ تصوف کی مختلف جہات پر اس کے ذریعہ تحقیقات منظرِ عام پر آئیں گی۔ اس علمی و تحقیقی، فکری و روحانی روایت کے لیے

رئیسِ جامعہ کی سرپرستی تو حاصل رہی، ان کے علاوہ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، خواجہ غلام قطب الدین فریدی، جناب محمد افضل سعید اور محترمہ بشریٰ فضل کی ہمہ جہتی معاونت و مشاورت نے قدم آگے بڑھانے کا حوصلہ دیا۔ بارگاہِ الٰہی میں التجا ہے کہ امام المزکّین کے توسل سے ہمیں خدمتِ دین کے لیے اخلاص عطا فرمائے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الآخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

مدیرِ اعلیٰ

ڈاکٹر ہمایوں عباس

احسان کیا ہے

میرزاامجدرازی☆

Abstract:

This article entitled''احسان کیا ہے''deals with the meanings fo EHSAN. Ehsan is a comprehensive word. This word is used in the Holy Quran and the Hadith, especially in the Hadith of ''جبریل''. In this article, Where cleared and apparent meanings of Ehsan are mentioned, In the same place, the hidden and secret meaning is also be expressed.

Key Words:

Meanings, Ehsan, Comprehensive, Holy Quran, Hadith, Hidden, Secret, Expressed.

ا۔احسان فی اللغة

ابومنصور ہروی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الاحسان ضد الاسائة وفسر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاحسان حین سأله جبریل فقال هو أن تعبد اللّٰہ کأنک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک وهو تأویل قوله عزوجل اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (النحل ۹۰) وقوله عزوجل هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمن ۶۰) ای ماجزاء من احسن فی الدنیا الا أن یحسن الیه فی الآخرة۔''(۱)

احسان اساءَت یعنی برائی کرنے کی ضد ہے۔نبی پاک ﷺ نے جبریل علیہ السلام کے

☆ سابق ریسرچ آفیسر،محی الدین اسلامی یونیورسٹی،آزادکشمیر

احسان سے متعلق سوال کرنے پر اس طرح تفسیر فرمائی:

''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو بے شک وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

ابو ہلال عسکری احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان الاحسان النفع الحسن''(۲)

(بے شک احسان اچھا نفع ہے۔)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''ویکون من الاحسان ماهو ضرر مثل تعذيب الله تعالىٰ اهل النار وكل من جاء بفعل حسن فقد احسن الاترى أن من اقام حدا فقدا حسن وان انزل بالمحدود ضررا ثم استعمل فى النفع والخير خاصة فيقال احسن الى فلان اذا نفعه ولا يقال احسن اليه اذا حده ويقولون للنفع كله احسانا ولا يقولون للضرر كله اساءۃ فلو كان معنى الاحسان هو النفع على الحقيقة لكان معنى الاساءة الضرر على الحقيقة لانه ضده والاب يحسن الى ولده بسقيه الدواء المر وبالفصد والحجامة''(۳)

کوئی احسان ضرر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا دوزخیوں کو عذاب دینا اور ہر وہ شخص جو اچھی چیز بجا لایا تو اس نے احسان کیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس نے کسی پر حد قائم کی تو اس نے احسان کیا۔ حالانکہ اس نے بندے کو ضرر لاحق کیا ہے، پھر احسان نفع اور خیر میں بالخصوص استعمال کیا جانے لگا، پس کہا جاتا ہے احسن الی فلان جب فلاں بندے کو وہ نفع دے اور جب کوئی بندہ کسی پر حد لگائے تو احسن الی فلان نہیں کہا جاتا، عرب ہر نفع کو احسان بولتے ہیں مگر ہر ضرر کو اساءت نہیں کہتے۔ اساءت کا حقیقی معنی بھی ضرر ہوتا ہے کیونکہ اگر احسان کا حقیقی معنی نفع ہوتا تو اساءت احسان کی ضد ہے۔ اسی طرح باپ کڑوی دوا پلانے، فصد اور حجامہ کروانے کے ذریعے بیٹے پر احسان کرتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الاحسان تحری الحسنیٰ فی الایمان والاسلام"(۴)

احسان ایمان اور اسلام میں بھلائی طلب کرنا ہے۔

امام مناوی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الاحسان اسلام ظاهر یقیمه ایمان باطن یکمله احسان شهودی قاله الحرالی وقال الراغب فعل ماینبغی فعله من المعروف وهو ضربان احدهما الانعام علی الغیر والثانی احسان فی فعله وذالک اذاعلم علما محمودا اوعمل عملا حسنا ومنه قول علی کرم الله وجهه "الناس ابناء مایحسنون ای منسوبون الی مایعلمون ویعملون"(۵)

احسان ایسا اسلام ظاہر ہے جسے ایمانِ باطن قائم رکھتا ہے اور احسانِ شہودی اسے مکمل کرتا ہے (حرالی) اور امام راغب کا کہنا ہے کہ وہ اچھا کام جو کرنا مناسب ہو (احسان ہے) اس کی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے پر انعام کرنا ہے اور دوسری اپنے فعل میں احسان کرنا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب کوئی محمود علم جانے یا کوئی اچھا عمل کرے۔

اسی قبیل سے مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی ہے:

"الناس ابناء مایحسنون ای منسوبون الی مایعلمون ویعملون"

لوگ اسی کی طرف منسوب ہیں جو وہ جانتے ہیں اور جو وہ عمل کرتے ہیں۔

ح۔احسان فی الاصطلاح

امام قشیری احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان احسان العبد طاعته لله تعالیٰ واحسان الحق انعامه علی العبد بالتوفیق للشکر له"(۶)

(بے شک بندے کا احسان اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہے اور حق کا احسان بندے کو شکر کی توفیق دے کر اس پر انعام کرنا ہے۔)

ابوطالب مکی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وسئل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الاحسان فقال ان تعبد الله کانک تراه وینتقل العبد من اعمال الجوارح وهي المجاهدة التی طرح علیه ثقلها

فحملها فتحمل فيما حمل و تحفظ له ما استحفظ الى علم اليقين وهو الروح والرضاء وهذا هو هداية السبيل واول هذا كله ان يدخل العبد بعد التوبة النصوحة في احوال المريدين واعمال المجاهدين للنفس والعدو ثم ينتقل الى خواطر اليقين فهذا ميراث المجاهدين"(۷)

نبی پاک ﷺ سے احسان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ بندہ اعمالِ جوارح سے علمِ یقین کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اعمالِ جوارح وہ مجاہدہ ہے جس کا بوجھ بندے پر ڈالا گیا ہو اور بندہ اس بوجھ کو اٹھالے، یہاں تک کہ وہ علمِ یقین تک پہنچ جائے۔علمِ یقین روح ورضا ہے اور یہی صراطِ مستقیم کی ہدایت ہے۔سب کی ابتدا یہ ہے کہ بندہ سچی توبہ کے بعد مریدین کے احوال میں داخل ہو جائے۔ بندہ نفس وشیطان کے ساتھ مجاہدے کے اعمال سے منتقل ہوتا ہے پھر یقین کے خواطر کی طرف منتقل ہوتا ہے یہی مجاہدہ کرنے والوں کی میراث ہے۔

امام ھروی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان الاحسان اسم جامع نبوی يجمع ابواب الحقائق وهو ان تعبدالله كانك تراه وهو على ثلاث درجات۔ الدرجة الاولىٰ الاحسان في القصد بتهذيبه علماء ابرامه عزما وتصفيته حالا الدرجة الثانية الاحسان في الاحوال وهو ان تراعيها غيره و تسترها تظرفا و تصححها تحقيقا الدرجة الثالثة الاحسان في الوقت وهو ان لاتزايل المشاهدة ابدا ولا تلحظ لهمتك امدا وتجعل هجرتك الى الحق سرمدا"(۸)

احسان ایسا نبوی جامع ہے جو حقائق کے ابواب کو جمع کرنے والا ہے اور وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ احسان کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ احسان فی القصد ہے یعنی قصد کو بطورِ علم مہذب کرنے اور بطورِ عزم پختہ کرنے اور بطورِ حال صاف کرنے سے عبارت ہے۔ دوسرا درجہ احسان فی الاحوال ہے وہ یہ کہ تم احوال کی غیر سے حفاظت کرو اور احوال کو بتکلف خوبصورت

بنانے کے طور پر چھپاؤ اور بطورِ تحقیق درست کرو۔ تیسرا درجہ احسان فی الوقت ہے وہ یہ کہ تم مشاہدہ سے کبھی بھی جدائی اختیار نہ کرو اور اپنی ہمت کے لیے انتہا کا لحاظ نہ کرو اور اپنی ہجرت حق تعالیٰ کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کردو۔

امام راغب اصفہانی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الاحسان تحوی الحسنی فی الایمان و الاسلام الخ"(۹)

احسان ایمان اور اسلام میں بھلائی طلب کرنا ہے اسی وجہ سے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔

علامہ ابن جوزی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالاحسان من العبد فی الدنیا قول لا الٰہ الا اللّٰہ و الاحسان من اللّٰہ فی الآخرۃ الجنۃ"(۱۰)

دنیا میں بندے کی طرف سے احسان لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے اور آخرت میں اللہ کی طرف سے احسان جنت ہے۔

امام وصابی شافعی احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انما الاحسان هو البر والانصاف والاکرام والاتحاف والتواضع والالطاف والعمل بالکتاب والسنۃ رجاء الاجر والفوز بالجنۃ"(۱۱)

احسان تو اجر اور جنت سے بہرہ مند ہونے کی امید پر نیکی، انصاف، اکرام، تحفہ دینا، تواضع نرمی کرنا اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونا ہے۔

امام ابن دیبع احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فالاحسان فی العمل و عمل الصالحات هو الذی یقرب من رحمۃ اللّٰہ تعالٰی و لیست رحمته تنال بالتمنی و لکن شرطها الاحسان"(۱۲)

احسان نیکیوں کا وہ عمل کرنا ہے جو اللہ کی رحمت سے قریب کردے اور اللہ کی رحمت تمنا سے نہیں پائی جاتی مگر اس رحمت کی شرط احسان ہے۔

س۔احسان فی القرآن

"وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ"(۱۳)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو☆۔ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو پھر تم پھر گئے مگر تم میں کے تھوڑے اور تم روگردان ہو۔

☆اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم فرمانے کے بعد والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت بہت ضروری ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کا یہ معنی ہے کہ ایسی کوئی بات نہ کہو اور ایسا کوئی کام نہ کرو جس سے انہیں ایذا ہو اور اپنے بدن و مال سے ان کی خدمت میں دریغ نہ کرو۔ جب انہیں ضرورت ہو ان کے پاس حاضر رہو۔

مسئلہ: اگر والدین اپنی خدمت کے لیے نوافل چھوڑنے کا حکم دیں تو چھوڑ دو، ان کی خدمت نفل سے مقدم ہے۔

مسئلہ: واجبات والدین کے حکم سے ترک نہیں کیے جا سکتے۔ والدین کے ساتھ احسان کے طریقے جو احادیث سے ثابت ہیں وہ یہ ہیں کہ تہہ دل کے ساتھ ان سے محبت رکھو، رفتار و گفتار میں نشست و برخاست میں ادب کو لازم جانو، ان کی شان میں تعظیم کے لفظ کہو، ان کو راضی کرنے کی سعی کرتے رہو، اپنے نفیس مال کو ان سے نہ بچاؤ، ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیتیں جاری کرو، ان کے لیے فاتحہ، صدقات، تلاوتِ قرآن سے ایصالِ ثواب کرو، اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرو، ہفتہ وار ان کی قبر کی زیارت کرو (فتح العزیز) والدین کے ساتھ بھلائی کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر وہ گناہوں کے عادی ہیں یا کسی بدمذہبی میں گرفتار ہیں تو ان کو بہ نرمی اصلاح و تقویٰ اور عقیدہ حصہ کی طرف لانے کی کوشش کرتے رہو۔ (خازن)(۱۴)

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ رَحْمَۃٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ"(۱۵)

اے ایمان والو☆ تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت تو جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہو تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادا۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت، تو اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

☆ یہ آیت اوس وخزرج کے بارے میں نازل ہوئی ان میں سے ایک قبیلہ دوسرے سے قوت وتعداد اور مال وشرف میں زیادہ تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک کے بدلے دو کو قتل کرے گا، زمانۂ جاہلیت میں لوگ اس قسم کی تعدی کے عادی تھے۔ عہدِ اسلام میں یہ معاملہ حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی اور عدل ومساوات کا حکم دیا گیا اور اس پر وہ لوگ راضی ہوئے۔ قرآن کریم میں قصاص کا مسئلہ کئی آیتوں میں بیان ہوا ہے، اس آیت میں قصاص وعفو دونوں کے مسئلہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا بیان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو قصاص وعفو دونوں میں مختار کیا چاہیں قصاص لیں یا عفو کریں۔(۱۶)

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ"(۱۷)

یہ طلاق (یعنی طلاقِ رجعی☆) دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے (یعنی رجعت کرکے) یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں روا نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو، مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں گے

پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہیں حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں
اس میں جو بدلہ دے کر عورت چھٹی لے، یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو اور
جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

☆ ایک عورت نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے شوہر نے کہا ہے کہ وہ اس کو طلاق دیتا اور رجعت کرتا رہے گا ہر مرتبہ جب طلاق کی عدت گزرنے کے قریب ہو گی رجعت کرے گا۔ پھر طلاق دے دے گا اسی طرح عمر بھر اس کو قید رکھے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ارشاد فرمادیا کہ طلاق رجعی دو بار تک ہے اس کے بعد طلاق دینے پر رجعت کا حق نہیں۔(۱۸)

”اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ
الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ“(۱۹)

بے شک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی ☆ اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا
ہے بے حیائی اور بُری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

☆ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انصاف تو یہ ہے کہ آدمی لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دے اور نیکی اور فرائض کا ادا کرنا، آپ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ انصاف شرک کا ترک کرنا اور نیکی اللہ کی اس طرح عبادت کرنا گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اگر وہ مومن ہو تو اس کے برکاتِ ایمان کی ترقی تمہیں پسند ہو اگر کافر ہو تو تمہیں یہ پسند آئے کہ وہ تمہارا مسلمان بھائی ہو جائے۔

انہی سے ایک اور روایت ہے کہ انصاف توحید ہے اور نیکی اخلاص، ان تمام روایتوں کا طرزِ بیان اگرچہ جدا جدا ہے لیکن مآل و مدعا ایک ہی ہے۔(۲۰)

”وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ
اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْھَرْھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا“(۲۱)

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا
سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں ☆ تو ان
سے ”ہوں“ نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔

☆ ضعف کا غلبہ ہو، اعضا میں قوت نہ رہے اور جیسا تو بچپن میں ان کے پاس بے طاقت تھا ایسے ہی

وہ آخرِ عمر میں تیرے پاس ناتواں رہ جائیں۔ (۲۲)

ل۔احسان فی الحدیث

"حدثنا ابو بکر بن ابي شیبة حدثنا اسماعیل ابن علیة عن خالد الحذاء عن ابي قلابة عن ابي الاشعث عن شدا بن اوس قال ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان الله کتب الاحسان علی کل شیئی فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ولیحد احدکم شفرته فلیرح ذبیحته"(۲۳)

شداد بن اوس سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو چیزیں یاد کی ہیں فرمایا۔ بے شک اللہ نے ہر چیز پر احسان لکھ دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے کرو اور تم میں سے جو ذبح کرنا چاہے تو اپنی چھری تیز کرے تا کہ ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔

"اخبرنا ابو عبدالرحمن السلمي سمعت عبدالله بن محمد الرازی، سمعت محمد بن الفضل یقول الحیاء یتولد من النظر الی احسان المحسن ثم من النظر الی جفائک الی المحسن فاذا کنت کذالک رزقت الحیاء ان شاء الله"(۲۴)

ہمیں ابوعبدالرحمن سلمی نے خبر دی کہ میں نے عبداللہ بن محمد رازی سے سنا اور انہوں نے محمد بن فضل کو فرماتے سنا کہ حیاء محسن کے احسان کی طرف نظر کرنے سے پیدا ہوتی ہے پھر محسن کے ساتھ تیری جفا کی طرف نظر کرنے سے پیدا ہوتی ہے پس اگر تم ایسے ہو تو تمہیں حیا عطا کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

"لایخرج المؤمن من ایمانه ذنب کمالا یخرج الکافر من کفره احسان (الدیلمی عن انس)"(۲۵)

(مومن کو اس کے ایمان سے کوئی گناہ نہیں نکال سکتا جیسا کہ کافر کو اس کے کفر سے کوئی احسان نہیں نکال سکتا۔)

"اخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن منصور عن ابي وائل عن ابي مسعود قال

رجل للبنی صلی اللہ علیہ وسلم أرأیت الرجل یحسن فی الاسلام أیواخذ بما عمل فی الجاھلیۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احسن فی الاسلام لم یواخذ بما عمل فی الجاھلیۃ ومن اساء فی الاسلام اخذ بالاول والآخر"(۲۶)

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہا کہ ایک مرد نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ آپ کا اس مرد کے بارے میں کیا خیال ہے جو اسلام میں احسان والا ہے کیا اس سے زمانۂ جاہلیت میں کیے ہوئے عمل کے بارے میں مواخذہ کیا جائے گا تو آپ نے فرمایا: جس نے اسلام میں بڑائی کی تو اس سے اوّل وآخر دونوں کا مواخذہ کیا جائے گا۔

"حدثنا جریر عن عبدالملک بن عمیر عن جابر بن سمرۃ قال خطب عمر الناس بالجابیۃ فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسل قام فی مثل مقامي ھذا فقال احسنوا الی اصحابي ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یجئ قوم یحلف احدھم علی الیمین قبل ان یستحلف علیھا ویشھد علی الشھادۃ قبل ان یستشھد فمن احب منکم ان ینال بحبوحۃ الجنۃ فلیلزم الجماعۃ فان الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد ولا یخلون رجل بامراۃ فان ثالثھما الشیطان ومن کان منکم تسرہ حسنتہ وتسوؤہ سیئتہ فھو مومن"(۲۷)

جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ہمیں مقامِ جابیہ میں خطبۂ ارشاد فرمایا پس انہوں نے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کے مقام پر کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ میرے صحابہ کے ساتھ احسان کرو پھر ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے بعد آئیں پھر ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے بعد آئیں پھر ایسی قوم آئے جس میں سے کوئی شخص قسم کھائے۔ قسم لیے جانے سے پہلے اور گواہی دے گواہی طلب کیے جانے سے پہلے پس تم میں سے جو جنت کا درمیان پانا پسند کرے تو اس جماعت کو لازم پکڑے بے شک شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے زیادہ دور ہوتا ہے اور کوئی فرد کس عورت کے ساتھ خلوت نشین نہیں ہوتا مگر یہ کہ اُن میں تیسرا شیطان ہوتا ہے اور تم میں سے جسے نیکی اچھی لگے اور برائی بری لگے تو وہ مومن ہے۔

۶۔احسان فی التصوف

حقیقتِ احسان کوشیشۂ تصوف میں دیکھنے سے پہلے ماہیتِ تصوف کو جاننا ضروری ہے۔علمائے ظاہر و باطن نے تصوف کی تعریف میں الوانِ کثرتِ مشاہدہ سے نقش نگاری فرمائی ہے۔بعض کہتے ہیں کہ صوفی منسوب بصوف ہےاس لیے کہ زمانۂ سابق میں اہلِ باطن غایتِ انکساری سےصوف کا لباس پہنتے تھےاور صوف بضم الصاد مہملہ لغت میں بمعنی پشم گوسپند کے ہےاورتصوف اس سے ماخوذ ہےاور مجازاًان کے اعمال وافعال اور معارف کوتصوف کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ تصوف صوف سے ماخوذ ہے جوبفتح صاد مہملہ لغۃً بمعنی یکسو ہونے اور روگردانی کرنے کے ہے،اسی وجہ سے واصلانِ حق ماسوائے اللہ سے یکسوئی اور روگردانی اختیار کرتے ہیں لہٰذاان کے اعمال وافعال اور معارف کوتصوف کہتے ہیں۔

صوفی لغت میں بمعنی مخلص کے بھی آیا ہےاورصوفی مخلص ہی ہوا کرتے ہیں۔

الغرض اعمال وافعال اور معارفِ صوفیہ کوتصوف کہتے ہیں۔ان سب کاتعلق شریعت وطریقت اور حقیقت سے ہوتا ہےاور یہ سب عبادات کی منازل اور اقسام ہیں جن کامقصود وحاصل اسمِ احسان سے بامسمیٰ ہے۔

وہ یوں کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی صراطِ مستقیم ہےجس کی اتباع سے آدمی خصائلِ ذمیمہ سے اخلاقِ حمیدہ تک اور حفیضِ بعدوحرمان سے اوجِ قرب ووصال تک جاپہنچتا ہے۔اس شریعت کے ایک معنی ظاہری ہیں اور ایک معنی باطنی ہیں۔ظاہری معنی میں توعوام مومنین شریک ہیں اور معنئ باطنی کہ جس کوحقیقت کہتے ہیں اس میں خواص مومنین شریک ہیں۔

اس اعتبار سے شریعت ابتدائے مقام کا نام ہےاورحقیقت انتہائے مقام کا نام ہےاور درمیانی منازل کا نام طریقت ہے پھران میں سے ہرایک کے تین تین مرتبے ہیں:۱۔ابتدا،۲۔متوسط،۳۔انتہا گویا یہ نومراتب ہیں اوران مراتب کے معنوں کا اظہار الفاظ میں بیان کرنا دشوار ہے کیونکہ ان معنوں کا سلسلہ بذریعۂ الفاظ قائم نہیں ہوسکتااس لیے کہ ان کے درمیان مدارجِ علمی کےعروج سے کئی دیگر مراتبِ علمی پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہرایک مرتبہ میں ریاضتِ سالک کے سبب مختلف حالتیں سینۂ سالک پر نزول پذیر ہوتی چلی جاتیں ہیں جن سے سالک بغیر تعلیم وتعلّم کے کیفیاتِ سرمدی کے مُستنیر جلووں میں

ڈوبتا چلا جاتا ہے انہیں احوال و کیفیات کو ذوق، وجدان اور عرفان کہا جاتا ہے اور ان مدارج حالاتِ علمی کے اعتبار سے مدارجِ عروج کا سلسلہ معنی درمعنی ترقی پذیر ہو کر سالک کے حسبِ استعداد قائم ہوتا چلا جاتا ہے اگرچہ یہ ذوقی، وجدانی اور عرفانی حالات خط و کتاب اور لفظ و عبارت میں تو نہیں سما سکتے مگر تفہیمِ طالب کے لیے تمثیلاً بتلائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً:

کلمۂ طیبہ کا معنی جو کہ کتاب وسنت کا اصل الاصول ہے۔ عوام الناس اس کو دوسروں سے فقط اس قدر سن لیتے ہیں کہ اللہ ہی معبودِ برحق ہے اور وہ اس معنی کو مان بھی لیتے ہیں، یہی اسلام ہے اور اس قدر اسلام تقلیدی شریعت کا پہلا درجہ ہے۔ پھر عقل وعلم کا حسنِ امتزاج عروج پکڑتا ہے اور سالک بزورِ عقل و علم کے عبادت میں حق تعالیٰ کے لاشریک ہونے کو برہانِ عقلی سے ثابت کرتا ہے۔ یہ مرتبۂ عامی سے اور مرتبۂ تقلیدی سے ترقی کا دور ہے جہاں سالک معنیٔ اوّل میں معنیٔ ثانی کو پیدا کرتا ہے۔ اس قدر اسلام متوسط شریعت کا دوسرا استدلالی درجہ کہلاتا ہے۔ پھر جب دلائلِ عقلی کی مطابقتِ صحیحہ سے عقل کو براہینِ نقلی کے ساتھ اعتمادِ کلی حاصل ہوتا ہے تو اعتقاد میں اور مضبوطی آتی ہے اور سالک بطورِ یقین جان لیتا ہے کہ لامعبود الا اللہ۔ اس صورت میں اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہری شریعت کا مرتبۂ کمال اور انتہا کا تیسرا درجہ ہے۔

یہاں تک تو صرف عقلِ ناقص کی رسائی تھی کیونکہ عقلِ ناقص علمِ خالص نفس الامری کا حجاب ہے عقلِ ناقص اصلِ مقصود سے بے خبر رہتی ہے اور فقط الفاظ پر اکتفا کرتی ہے اسی لیے سالک کو عقلِ سلیم کی ضرورت پیش آتی ہے۔

جب سالک طریقت میں قدم رکھتا ہے تو اس کا علم متحرک ہو کر سب سے پہلے حجاباتِ ظلمت اور علائقِ غفلت کو دور کرتا ہے اور مقصودِ حقیقی کی تلاش میں صحرائے تخیلات کی خاک اُڑاتا پھرتا ہے اس کا نام فکر ہے، جب سالک شریعتِ ظاہرہ کے مرتبۂ انتہا سے ترقی پذیر ہوتا ہے تو اسے مقصود و مطلوبِ ازل کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور یہ طلب ہی طریقت کا پہلا درجہ ہے۔

پھر جب سالک اس فکرِ مطلوب میں دل جماتا ہے تو عقلِ سلیم جو کہ تابع علم تھی متنبہ ہو کر نورِ علم سے روشن ہو جاتی ہے اور معبود کو عینِ مقصود دیکھتی ہے اور جمیع عقائدِ باطلہ سے منہ پھیر کر **انی وجهت وجهي للذی فطر السمٰوات والارض** سے حقیقت ایمان کی تحصیل کرتی ہے اور مرتبۂ لامقصود الا اللہ میں جا

پہنچتی ہے اس مرتبے میں اسلام سالک کے لیے ایمان بن جاتا ہے یہ مرتبہ طریقت کا دوسرا درجہ ہے۔

پھر سالک جب اس مقام میں قیام کرتا ہے اور ثابت قدم رہتا ہے تو اس کی عقل علم ہوجاتی ہے اور علم نور بن جاتا ہے پھر سالک کو مقصودِ حقیقی کے جلوے مشہود ہونے لگتے ہیں، اس مرتبہ میں ایمان ایقان ہوکر مقصود کی معرفت حاصل کرتا ہے اور معبود کا نام طاقِ نسیاں ہوجاتا ہے یہ مرتبہ طریقت کی انتہا اور سالک کی منزلِ مقصود ہوتا ہے یہی طریقت کا تیسرا درجہ ہے۔

یہاں تک تو علم کی رسائی تھی اس کے آگے عشق کی مدد کے بغیر علم پر نہیں مار سکتا۔ اسی واسطے اس مقام پر علم عشق کا تابع ہوتا ہے۔ جب علم کے ساتھ عشق ہوتا ہے تو سالک کے لیے کششِ ربانی معرضِ وجود میں آتی ہے اور سالک ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ مقصود مشہود ہوجاتا ہے۔ سالک محقق ہوجاتا ہے فکر مراقبہ کا برقع پہنتی ہے اس کا یقین ذوق اور وجدان بن جاتا ہے اور وہ سب سے منہ پھیر کر بارگاہِ حسنِ ازل میں سربسجود ہوجاتا ہے یہ مرتبہ حقیقت کا پہلا درجہ ہے۔

جب سالک اس مقام میں ٹھہر جاتا ہے تو آتشِ عشق بھڑک اٹھتی ہے۔ نورِ علم نورعلی نور ہوجاتا ہے اور سالک مقصود کو بھول کر مشہود کو پاتا ہے اور لامشہود الا اللہ کہنے لگتا ہے۔ یہ مرتبہ حقیقت کا دوسرا درجہ ہے۔ پھر جب سالک کا علم عشق بن جاتا ہے اور اس کا وجدان عرفان بن جاتا ہے تو وہ مشہود سے منہ پھیر کر مقامِ لاموجود الا اللہ تک جا پہنچتا ہے اور وما انا من المشرکین کہنے لگتا ہے اور یہ مرتبۂ ثالث حقیقت کا آخری درجہ اور انتہا ہے۔

اس تمام بحث وتمحیص سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ حقیقت طریقت کے معنی میں اور طریقت شریعتِ ظاہرہ کے معنی میں ہے۔ اس کے آگے لفظ ومعنی سب غائب ہیں۔ اس مقام میں عابد ومعبود، سالک ومقصود، شاہد ومشہود کا پتہ نہیں لگتا۔

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

عقل علم میں، علم عشق میں، عشق عاشق میں، عاشق معشوق میں فنا ہوجاتا ہے۔ قاب قوسین اوادنیٰ کا دائرہ تمام ہوجاتا ہے۔ سلوک ومعرفت اپنی انتہا کو چھونے لگتے ہیں۔ اس مقام میں سوائے حیرت در حیرت اور فنا درفنا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس صورت میں علمائے ظاہر کے حسبِ حال لامعبود الا اللہ، سالکینِ

معرفت کے حق میں لامقصود الا اللہ محققین کے حق میں لامشہود الا اللہ اور مذاقِ عارفین کے موافق لاموجود الا اللہ صحیح ہوجاتا ہے۔

کلمۂ طیبہ کے اس معنی پر قرآن واحادیث کے تمام الفاظ ومعانی کو قیاس کر لینا چاہیے مگر فرق یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو عقلِ سلیم نصیب نہیں فقط ظاہر شریعت پر اکتفا کرتے ہیں اور خواص کہ جن کو عقلِ سلیم اور حدسِ مستقیم نصیب ہے اور اُن کی عقل نورِ حقانی سے روشن ہو چکی ہے وہ لوگ معنی کے معنی کو پاتے ہیں اور خود معنی بن جاتے ہیں اور جو شخص عقل سے معذور اور کور باطن ہے وہ بہ تکلف معنی کو صورت کی طرف اور حقیقت کو مجاز کی طرف پھیرتا ہے اور تاویلاتِ لا طائل شروع کرتا ہے۔

حاصل یہ کہ واقع نفس الامر میں شریعت عینِ طریقت اور طریقت عین حقیقت اور حقیقت عین معرفت ہے نہ کہ غیر، جیسا کہ بعض نادان گمان کرتے ہیں اس لیے کہ دین اور اس کے کمال کا مدار فقہ، عقائد اور تصوف پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

"قال ماالا حسان؟ قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک"(۲۸)

میں جو حضرت جبریل کے جواب میں وارد ہے اور اس کی صحت پر ائمہ اہلِ حدیث متفق ہیں اس حدیث میں ان تینوں چیزوں کا بیان ہے کیونکہ یہ حدیث مشتمل ہے اسلام اور ایمان اور احسان پر، اسلام سے اشارہ ہے فقہ کی طرف کہ اس میں تمام احکام اور اعمالِ شرعی کا بیان ہے اور ایمان سے اشارہ ہے عقائد کی طرف اور احسان سے اشارہ ہے اصلِ تصوف کی طرف کہ اس سے مراد توجہ الی اللہ، حضوری اور فنائے سالک ہے۔

فلسفۂ رویتِ الٰہی اور تحققِ احسان

اہلِ منطق وحکمت کے نزدیک جوہر کے لیے جنس ونوع کا ہونا ضروری ہے اور جس کے لیے جنس و نوع ہوگی اس کے لیے قطع وفصل کا ہونا ضروری ہے جس کے لیے قطع وفصل ہو اس کے لیے حدونہایت ہو گی جس کے لیے حدونہایت ہوگی تو ضروری ہے اس کے لیے طول وعرض اور عمق ہو تو جس کے لیے طول و عرض اور عمق ہو تو ضروری ہے کہ اس کے لیے مقدار ورنگ ہو۔

ان تمام صفات کے معنی کیفیت ہیں جب یہ معنی کسی چیز میں پائے جائیں گے تو اس چیز کے لیے

جہت ضروری ہے اور جب وہ جہت میں نظر آئے گی اور جہت میں مشاہدہ کی جائے گی وراس کا ادراک جمیع صفاتِ مذکورہ کے ساتھ ہوگا اور یہ بھی کہ ہر محدث میں یہ صفات ضروری ہیں کوئی محدث ان صفات سے خالی نہیں ہوسکتا۔ جب بہ طریق ضرورت یہ بات جان لی جائے کہ کوئی محدث (مخلوق) ان صفاتِ مذکورہ بالا کے بغیر نہیں پایا جاسکتا، ہر محدث ان صفات کے ساتھ جانا جاتا ہے اس لیے رؤیت خلافِ واقع امر نہیں ہوگی، لیکن صانع جل مجدہ نہ جسم ہے نہ جوہر اور جب وہ جسم و جوہر نہیں تو اس کے لیے جنس ونوع بھی نہیں اور جنس ونوع نہیں تو قطع وفصل بھی نہ ہوا اور جب قطع وفصل نہیں تو اس کے لیے حد ونہایت بھی نہیں اور جب حد ونہایت نہیں تو اس کے لیے طول وعرض اور عمق بھی نہ ہوا اور جب طول وعرض اور عمق نہیں تو اس کے لیے لون وکیف بھی نہ ہوا اور جب لون وکیف نہیں تو رویت کے ساتھ مدرک نہ ہوگا اس لیے کہ ادراک ماہیت وکیفیت اور مقدار کا ہوتا ہے اور اللہ جل مجدہ ان صفات سے منزہ و پاک ہے۔ اس لیے فرمایا:

"لَاتُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَیُدْرِکُ الْاَبْصَارَ"(۲۹)

(آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں۔)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آنکھیں اس ذات کا احاطہ ہی نہیں کرسکتیں تو رویتِ الٰہی کیسے مستحقق ہوگی اور احسان کا تحقق کیسے ثابت ہوگا تو اس کی تفصیل و وضاحت میں امام جرجانی کی متعلق بہ احسان تعریف کافی ہے۔ آپ احسان کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"هو التحقيق بالعبودية على مشاهدة حضرة الربوبية بنور البصيرة اى روية الحق موصوفا بصفاته بعين صفته فهو يراه يقينا ولايراه حقيقة ولهذا قال صلى الله عليه وسلم كانك تراه لانه يراه من وراء حجب صفاته فلايرىٰ الحقيقة بالحقيقة لانه تعالٰى هوالداعى وصفة لوصفه وهو دون مقام المشاهدةفى مقام الروح"(۳۰)

احسان نورِ بصیرت کے ذریعے بارگاہِ الٰہی کے مشاہدے پر عبودیت کا تحقق ہے۔ (عبودیت کے تحقق سے مراد) یہ ہے کہ حق تعالٰی کو اس کی صفات کے ساتھ اسی کی صفت کی آنکھ سے متصف دیکھا جائے پس (بندہ) حق تعالٰی کو یقینا دیکھے گا نہ کہ حقیقتاً۔ اسی لیے نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو (مفہومِ رویت یہ ہے کہ) وہ شخص حق تعالیٰ کو اس کی صفات کے پردوں کے آگے سے دیکھ سکتا ہے وہ حقیقت کو در حقیقت نہیں دیکھ سکتا اس لیے کہ حق تعالیٰ بلانے والا ہے اور اپنے وصف کے لیے صفت بیان کرنے والا ہے۔ یہ مقام روح میں مقام مشاہدہ سے نیچے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احوالِ صوفیہ پر نظر ڈالتے ہوئے جب ہم حالتِ کشف کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے ان کے کلمات کو دیکھتے ہیں تو ان فصوصِ حکمت کو نظمِ سکر میں پروتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ صفاتِ الٰہیہ کے نورانی حجابات کے پیچھے اس ذات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو نور السمٰوٰت والارض کی حامل ہے ان کا تو لمحہ لمحہ احسانِ مجسم نظر آتا ہے۔

اس لیے جب خواجہ ہاشم ٹھٹھوی سے اُن کے طویل رکوع وسجود کے متعلق پوچھا گیا اور اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ جب میں ایک تسبیح پڑھتا ہوں تو اپنی زبان کو دوسری تسبیح پڑھنے سے روک لیتا ہوں یہاں تک کہ مجھے میرا مولی لبیک انی یا عبدی نہ کہہ دے، یہ تھی وہ عبادت کہ بارگاہِ خداوندِ لم یزل کا احترام اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ اور ایک عابد فانہ یراک کا مصداقِ مجسم بن چکا تھا۔

اسی طرح حضرت ہشام بن عروہ کے پاؤں میں زخم بنتا ہے۔ اصحابِ رسول پاؤں قطع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، ہشام بن عروہ شدتِ تکلیف کی وجہ سے منع کر دیتے ہیں۔ اتنے میں ایک صحابی کہتا ہے کہ جب ہشام بارگاہِ ایزدی میں سرِ نیاز جھکائیں گے تب پاؤں کاٹ لو، ہشام نماز کے لیے بارگاہِ ذوالجمال میں کھڑے ہوتے ہیں دورانِ نماز آپ کا پاؤں کاٹ لیا جاتا ہے لیکن آپ کو خبر تک نہیں ہوتی، یہ تھی وہ عبادت کہ جب نظریں جمالِ قدس کو دیکھ رہی تھیں، وجودی کثافتیں ازلی لطافتوں میں ڈوبی چکی تھیں اور ایک عابد **ان تعبد اللہ کانک تراہ** کا مصداق بن چکا تھا۔

ایسے کئی واقعات کتبِ سیر وتصوّف میں نظر آتے ہیں کہ جن سے یہ اَمر مقامِ ثقاہت کی آخری حد کو چھوتا ہوا ملتا ہے جہاں مقصود مشہود ہو رہا ہوتا ہے اور چشمِ عبادت اپنے حاصلِ اخلاص کو دیکھ رہی ہوتی ہے اور کوئی تیسری چیز دخل اندازی کی جرأت نہیں کر سکتی جہاں بندہ کا احسان اور خدا کا احسان قابَ قوسین کے دائرے کو تمام کر کے نقطۂ وحدت تک پہنچتا ہے۔ دوئی نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ ایک وجود صفاتِ

الٰہیہ کا مظہرِ اتم بن جاتا ہے۔خلافتِ الٰہیہ کی دستارِفضیلت اس کے سر پر رکھی جاتی ہے اور وہ منبرِ تخلیق کا ایسا خطیب بنتا ہے کہ جس کے تکلم کے سامنے ملائکہ کی سماعتیں سجدہ ریز ہوجاتی ہیں۔عالمِ ملکوت و جبروت میں اِس کی آوازصدائے بازگشت بنتی ہے اور یہی احسان وہ مقام ہے جہاں صفات پردہ بنتی ہیں اور ایک ذات دوسری ذات کو اسی پردہ کے پیچھے رہ کر حق الیقین کے شیشے سے دیکھتی ہے۔

◆◆◆

حوالہ جات

۱۔ الھر وی،الازھری، محمد بن احمد، تہذیب اللغہ باب الحاء والسین، جلد ا،ص ۱۸۳، الناشر،داراحیاء التراث العربی بیروت: طبع اول،۲۰۰۱ء،عددالاجزاء۸

۲۔ العسکر ی،حسن بن عبداللہ، ابو ہلال،الفروق اللغویۃ، باب الفرق بین الاحسان والافضال جز، ص۱۹۷،حققہ وعلق علیہ محمد ابراہیم سلیم الناشر، دارالعلم والثقافۃ للنشر والتوزیع، القاہرۃ ،مصر، عدد الاجزاء ۱

۳۔ العسکر ی،حسن بن عبداللہ، ابو ہلال،معجم الفروق اللغویۃ،جزا،ص۸۱، حققہ ،الشیخ بیت اللہ بیات و مؤسسۃ النشر الاسلامی،قم،طبع اول، ۱۴۱۲ھ

۴۔ سیوطی، جلال الدین،معجم مقالید العلوم فی الحدود الرسوم، جزا،ص۲۰۹، المحقق ا۔د۔محمد ابراہیم عبادۃ، الناشرمکتبۃ الآداب،القاہرہ،مصر،طبع اول ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۴ م عددالاجزاء ۱

۵۔ المناوی، زین الدین، الحدادی،التوقیف علی مھمات التعاریف فصل الحاء ،جز ا،ص ۴، الناشر، عالم الکتب،القاہرہ،طبع اول ۱۴۱۰ھ

۶۔ القشیری،عبدالکریم بن ھوازن، الرسالۃ القشیریہ باب الشکر جزا ،ص ۳۱۲،تحقیق امام الدکتورعبدالحلیم محمود،الدکتورمحمودبن الشریف،الناشر،دارالمعارف،القاہرہ

۷۔ مکی،محمد بن علی،ابوطالب،قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب ووصف طریق المرید الی مقام التوحید باب وصفۃ القلب وتمثیلہ بالانوارِ والجواہر الجزا،ص۲۰۹۔۲۰۸،المحقق د۔عاصم ابراہیم الکیالی، الناشر، دارالکتب العلمیہ ، بیروت،لبنان،البطعۃ الثانیہ ۱۴۲۶ھ

۸۔ الھر وی، الانصاری،عبداللہ بن محمد، ابواسماعیل،منازل السائرین باب الفقر الجزء ا،ص۷۵، الناشر دارالکتب العلمیہ ،بیروت

۹۔ الاصفہانی، الراغب، حسین بن محمد، ابو القاسم، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ ،باب الایمان والاسلام والتقویٰ والبر،جزا،ص۱۴۰،تحقیق د۔ابوالیزید ابوزید العجمی، دارالنشر ، دارالاسلام القاہرہ، عام النشر ۱۴۲۸ھ

۱۰۔ الجوزی،عبدالرحمٰن ، جمال الدین، بستان الواعظین وریاض السامعین ،باب صفۃ المومنین، جز ا، ص۲۷۸،المحقق أیمن البحیر ی،الناشرموسسۃ الکتب الثقافیۃ ،بیروت،اطبعۃ الثانیہ ۱۴۱۹ھ

۱۱۔ الوصابی،محمد بن عبدالرحمٰن،ابوحامد،نشروطی التعریف فی فضل حملۃ العلم الشریف والرد علی ماقتھم السخیف ،جز

ا،ص۱۰۱، ناشر،دارالمنہاج،جدہ:طبع اول ۱۴۱۷ھ

۱۲۔ ابن الدیبع،عبدالرحمٰن بن علی،وجیہ الدین،مکفرات الذنوب وموجبات الجنتہ،باب سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ جزا،ص۸۱،ھذ بہ وزادعلیہ عبدالقادر احمد عطا، ناشر،دارالاعتصام

۱۳۔ سورۃ البقرہ آیت ۸۳

۱۴۔ مرادآبادی،نعیم الدین،خزائن العرفان حاشیہ کنزالایمان

۱۵۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۷۸

۱۶۔ خزائن العرفان حاشیہ کنزالایمان

۱۷۔ سورۃ البقرہ آیت ۲۲۹

۱۸۔ خزائن العرفان حاشیہ کنزالایمان

۱۹۔ سورۃ النحل آیت ۹۰

۲۰۔ خزائن العرفان حاشیہ کنزالایمان

۲۱۔ سورۃ الاسراء آیت ۲۳

۲۲۔ خزائن العرفان حاشیہ کنزالایمان

۲۳۔ النیشاپوری،مسلم بن حجاج،ابوالحسن،المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب الامر باحسان بالذبح والقتل، جز۳،ص۱۵۶۸،محقق محمد فواد عبدالباقی،الناشر، داراحیاء التراث العربی بیروت

۲۴۔ البیہقی، احمد بن حسین، ابوبکر،شعب الایمان، باب ۵۶ الحیاء جز۱۰،ص۱۸۱،حققہ وراجع نصوصہ وخرج احادیثہ الدکتور عبدالعلی عبدالحمید حامد اشرف علی،تحقیقہ وتخریج احادیثہ مختار احمد الندوی صاحب الدار السّلفیہ بومبای الھند، ناشر،مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض، بالتعاون مع الدارالسلفیۃ بومبای بالھند،طبع اول ۱۴۲۳ھ

۲۵۔ الہندی،علی بن حسام، علاؤالدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، باب، فی المتفرقات، جزا، ص۲۶۵،محقق بکری حیانی صفوۃ السفا، ناشر،مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۰۱ھ

۲۶۔ الازدی،معمر بن ابی عمرو،الجامع (منشور کملحق بمصنف عبدالرزاق) جز۱۰،ص۴۵۴،محقق حبیب الرحمن الاعظمی، ناشر،المجلس العلمی بپاکستان وتوزیع المکتب الاسلامی، بیروت:طبع ثانی ۱۴۰۳ھ

۲۸۔ الشیبانی، احمد بن احمد بن حنبل، ابوعبداللہ، مسند الامام احمد بن حنبل مسند عمر بن الخطاب، جز ا، ص۳۱۰،محقق شعیب الارنؤوط، عادل مرشد، وآخرون، اشراف د،عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی، ناشر، مؤسسۃ الرسالۃ طبع اول ۱۴۲۱ھ

۲۸۔ البخاری،محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ

وایامہ صحیح البخاری، باب سوال جبرئیل النبی، جزا،ص ۱۹، محقق محمد زہیر بن ناصر الناصر، ناشر، دارطوق النجاۃ طبع اول ۱۴۲۲ھ، وھوفمن خدمتہ التخریج ومتن مرتبط بشرحیہ فتح الباری لابن رجب ولابن حجر مع الکتاب شرح وتعلیق د۔ مصطفی دیب البغاء

۲۹۔ سورۃ الانعام آیت ۱۰۳

۳۰۔ الجرجانی،علی بن محمد، ابوالحسن، کتاب التعریفات، باب الالف ،ص ۱۴، ناشر، مکتبۃ الرحمانیۃ اردو بازار لاہور

◆◆◆

تصوف کی حقیقت۔لغوی و اصطلاحی تعریفات کے تناظر میں

محمد رمضان ☆

ABSTRACT:

"Tasawwuf" is what "Tazkiah" and "Hikmah" has been called said be in the Quran. In Hadith,word "Ihsan" has been used for Tasawwuf.Improvement of morals, purgation of the self,cleansing of the evil habits and regard for God-fearing(Taqwa) is called Tasawwuf. To convey the meanaings of Tasawwuf, the sayings of Sufis have been brought under focus in this article. It is about the dictionary meanaings of Tasawwuf; it discusses where this word Tasawwuf has been derived from and this word was introduced. In the article, the figurative meanaings of Tasawwuf in the eyes of different Sufis have been studied. This article presents what meanings of Tasawwuf are according to the Sufis of near past and early Islamic period. In the light of dictionary and figurative definitions, the fact Tasawwuf has been explained and it is concluded that Tasawwuf is that Tazkiah in the Quran and Ihsan in the Hadith.

Key Words:

Tasawwuf, Tazkiah, Hikmah, Ihsan, Improvement, Dictionary, Figurative, Quran, Hadith

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

لغوی تحقیق:

لفظ ''تصوف'' کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس سے مشتق ہے۔بعض نے کہا کہ لفظ ''تصوف'' صَفَا سے بنا ہے،جس کا مطلب ہے صفائی اور اُجلا ہونا۔جس طرح کہ جوہری نے لکھا:۔

''صَفَا۔۔۔خِلافُ الکَدرِ''(۱)

صفائی مَیلے پن کا الٹ ہے۔

اسی طرح ابنِ منظور افریقی نے لکھا:۔

''الصفوُ و الصفاءُ ممدو دٌ نقیضُ الکدر''(۲)

صفو اور صفاء ممدودہ مَیلے پن کا نقیض ہے۔

مرتضیٰ زبیدی نے لکھا:۔

''الصفاءُ فی خلوص الشی من الشَّو ہِ''(۳)

صفاء کا مطلب کسی چیز کا قبیح سے پاک ہونا۔

تصوف کی لغوی تحقیق کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ''صَفّ'' سے بنا ہے۔اس بارے ابوالقاسم قشیری نے کہا:

''انہ مشتق من الصف فکانھا فی الصف الاول بقلوبھم من حیث المحاضرة من اللّٰہ تعالٰی''(۴)

کہ یہ صف سے مشتق ہے گویا کہ صوفیاء کے دل اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں حاضری کے اعتبار سے پہلی صف میں ہوتے ہیں۔

درج بالا الفاظ پر امام قشیری کا اپنا نظریہ ہے کہ:

''لکن اللغة لا تقتضی ھذہ النسبةاِلی الصف''(۵)

لغت کے اعتبار سے اس کا اسم صوفی نہیں آتا۔

تو مطلب یہ ہے کہ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ تصوف کا لفظ ''صف'' سے ماخوذ ہے کیونکہ اس طرح اس کا اسم صَفِیٌ بنتا ہے،بجائے صوفی بننے کے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ''صُفہ'' سے بنا ہے۔کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں ایک چبوترے میں رہ کر تعلیم پاتے تھے اور تزکیہ نفس کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔لیکن اگر

اسی پر اعتماد کیا جائے تو اس کا اسم بھی صوفی نہیں ہوتا بلکہ اس کا اسم ''صُفِیٌّ'' بنتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔

ایک قول یہ ہے کہ ''صُوف'' سے بنا ہے۔ صوف اُون کو کہا جاتا ہے۔ دوسرے اقوال سے بہتر قول صوف والا معلوم ہوتا ہے۔ اس بارے پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھا:

> ''قول راجح جس پر اکثر صوفیہ کا اتفاق ہے یہ ہے کہ یہ لفظ ''صوف'' سے مشتق ہے، چونکہ اکثر صوفیہ، صُوف (اون) کا لباس پہنتے تھے۔ اس لیے لوگ انہیں صوفی کہنے لگے''۔ (۶)

حضرت گیسو دراز کے قول کے مطابق یہ لفظ صوفی دراصل صفوی تھا جو کثرتِ استعمال کی وجہ سے صوفی ہو گیا۔''(۷)

امام قشیری نے لفظ تصوف پر جو بحث کی ہے اس میں اس کا مادہ صُفہ، صَفَا اور صِفَا ہونے کی کسی نہ کسی طرح تردید کی ہے۔

صوفی کی نسبت اصحاب صُفہ سے نہ ہونے کے بارے ڈاکٹر امان اللہ نے لکھا:

> ''یہ نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو ''صوفی'' نہیں کہلوایا۔''(۸)

یہ بات تو درست ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو ''صوفی'' نہیں کہلوایا مگر اس سے تصوف کے وجود کی نفی کے لئے استدلال کرنا درست نہیں ہے

کیوں کہ وہ لوگ جس ارفع مقام پر فائز تھے انہیں مقامِ صحابیت پر ہوتے ہوئے ان الفاظ کے استعمال کی چنداں ضرورت نہ تھی کیوں کہ ظاہری بات ہے کہ لفظ ''صحابی'' کے مقابلے میں لفظ ''صوفی'' کم درجہ کا ہے۔

درج بالا جتنے اقوال ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ لفظ ''صَفَا'' سے مشتق ہو تو پھر اہل تصوف سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو ظاہری و باطنی آلودگی سے اپنے آپ کو پاک اور صاف رکھنے کی کوشش کرتے رہیں اور اس مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں۔

اگر یہ لفظ ''صَفْو'' سے بنا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ اہل تصوف مخلص دوست ہیں اور ان کی نسبت میں خلوص ہے۔

اگر یہ ''صُفّہ'' سے ہو تو مطلب یہ ہوتا کیا یہ لوگ اخلاق ذمیمہ ترک کر کے اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے مزین رکھتے ہیں؟

اگر یہ لفظ ''صف'' سے بنے تو مطلب یہ ہوگا کیا یہ لوگ اعمال صالحہ کی بجا آوری میں صف اول میں ہوتے ہیں اور قلبی حاضری سمیت محبت الٰہیہ میں سرشار یہ جماعت اللہ اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو راضی کرنے والے امور میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

اگر یہ لفظ ''صُوف'' بمعنی اون سے بنا ہو تو پھر یہ لوگ اکثر چونکہ اون کا لباس زیب تن کرتے تھے اس لئے انہیں اس نسبت سے صوفی کہا جانے لگا۔تو اس ضمن میں چونکہ اونی لباس ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پہننا ثابت ہے،تو اس حوالے سے جماعت صوفیہ نے طریقہء مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع کی۔جیسا کہ حدیث میں ہے:

''عن ابی موسیٰ قال: کان رسولُ اللہ ﷺ یَرْکَبُ الحمارَ وَیَلْبَسُ الصُوفَ ___''(۹)

حضرت ابوموسیٰ ؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر سواری فرمالیا کرتے تھے اور اونی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح امام بخاری نے غزوات میں سے ایک غزوہ کے سفر کے دوران اس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ''(۱۰)

پس آپ نے اپنا چہرہ اقدس اور دونوں ہاتھ دھوئے اور آپ نے اونی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔

امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے:

''لَبِسَ رَسُوْلُ اللہ الصُّوْفَ''(۱۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اونی لباس زیب تن فرمایا۔

درج بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کا اونی لباس پہننا اور لقب صوفی سے ملقب ہونا،اس کی اصل یہ لباس مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا انداز اور طریقہ ہے۔

اگرچہ امام بخاری کی روایت کردہ حدیث مبارکہ جس باب کے تحت ہے یعنی بابُ لُبْسِ جُبَّةِ

الصُّوْفِ فِی الْغَزْوِ۔(۱۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو غزوہ تبوک کے سفر سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عمل ہے۔تو دیگر روایات سے آپ کا معمول مبارک بھی معلوم ہوتا ہے۔جیسا امام حاکم کی روایت کردہ حدیث میں کانَ کے ساتھ فعل مضارع سے واضح ہے کہ یہ ماضی استمراری ہے اور ایک سے زائد بار کے معمول پر دلالت کررہا ہے۔انسائیکلو پیڈیا آف امریکا کا مقالہ نگار یوں لکھتا ہے:

Its name is derived from the Arabic word for"wool" Suf the material used by the early for muslim mystics for clothing.(13)

تصوف عربی زبان کے لفظ صوف سے مشتق ہے۔صوف ایک ایسی چیز ہے جو پہلے پہلے مسلمان صوفیہ بطور لباس استعمال کرتے تھے۔

شبلی نعمانی کا بھی ایک موٴقف ہے۔چنانچہ''الغزالی''میں یوں لکھا:

''تصوف کا لفظ اصل میں سین سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا۔چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا اس لئے لوگوں نے ان کو سوفی حکیم کہنا شروع کیا۔رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہوگیا۔یہ تحقیق علامہ ابوریحان بیرونی نے کتاب الہند میں لکھی ہے۔''(۱۴)

درج بالا موٴقف کو اتنی پذیرائی نہیں ملی جتنی کہ مادہ صوف سے تصوف کے قائلین کے موٴقف کو ملی ہے۔

تصوف کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحاً تصوف کی تعریف اور توضیح کے بارے میں حضرات صوفیہ کے متعدد کلمات اور اقوال نظر آتے ہیں مگر ان کا حاصل ایک ہی ہے۔مختلف صوفیہ کے درج ذیل اقوال ہیں:

سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''صوفی فُوعِلٌ کے وزن پر ہے اور اس کو مصافات سے لیا ہے جس کے معنی اس آدمی کے ہیں جس کو اللہ نے صاف کرلیا ہو۔''(۱۵)

یعنی قلبی صفائی حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔

مزید لکھا:

''تصوف یہ ہے کہ خدا کے ساتھ صدق دل سے معاملہ کرے اور لوگوں کے ساتھ نیک خلق ہو۔''(۱۶)

گویا تصوف نیت کے صاف ہونے اور بندوں سے خوش خلقی سے پیش آنے کا نام ہے۔اسلام میں جیسا کہ حقوق کی دو اقسام ہیں:

۱۔ حقوق اللہ

۲۔ حقوق العباد

اللہ کی عبادت کرنے میں اخلاص ہونا اور بندگان خدا کے حقوق میں سے ایک ان کا حق یہ بھی ہے کہ ان سے خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے،یہی تصوف ہے۔

علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''التصوفُ حُسنُ الخُلقِ''(۱۷)

تصوف نیک خصائل کا نام ہے۔

ابن تیمیہ نے لکھا:

''عن ابی عمرو بن نجید عن التصوف: الصبر تحت الامر والنهی''(۱۸)

ابوعمرو بن نجید سے تصوف کا مفہوم یوں روایت ہے کہ امر اور نہی (کی بجا آوری) پر صبر کرنا۔

جب شبلی سے تصوف کے بارے سوال کیا گیا تو ان کا جواب یہ تھا:

''التصوفُ عندی، ترویحُ القلبِ بِمِرواحِ الصفا و تجلیلِ الخواطرِ بِاَردیةِ الوفاءِ وَ التَّخلُّقِ بالسخاءِ، و البشرِ فی اللقاءِ''(۱۹)

میرے نزدیک تصوف قلب کا صاف ہونا، باطنی صفائی کے جھونکے سے، وساوس و خیالات سے پاک ہونا، وفا کی چادر اوڑھنا، سخاوت جیسے خلق سے متخلق ہونا، ملاقات میں کشادہ رو ہونا۔

شبلی کے قول کا بھی خلاصہ اخلاق حسنہ ہی ہے۔

جنید بغدادی نے تصوف کا مفہوم یوں ادا کیا:۔

''هو ان تکون مع اللّٰہ تعالیٰ بلا علاقة''۔(۲۰)

تصوف یہ ہے کہ تمہارا تعلق اللہ کے ساتھ ایسا ہو کہ ایسا کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"اِسترسالُ النفسِ مع اللهِ تعالیٰ عَلٰی مَایُرِیْدُہ"(۲۱)

تصوف یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا، اس کے ساتھ جو چاہے وہ کرے۔

جنید بغدادی سے اس بارے ایک اور قول بھی روایت ہے:

"استعمال کلُّ خُلُق سَنِیٍ، و ترکُ کُلُّ خلق دَنِیٍّ"(۲۲)

ہر اچھی بات پر عمل کرنا، اور ہر گھٹیا اور بری عادت کو ترک کر دینا۔

معروف کرخی نے کہا:

"الاخذ بالحقائق، والیاس مما فی ایدی الخلائق"(۲۳)

حقائق پر عمل کرنا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے، اسے ناامید ہونا تصوف ہے۔

ابو سہل صعلوکی نے کہا:

"التصوف: الاعراضُ عن الاعتراضِ"(۲۴)

(اللہ کے ہر فیصلے پر) اعتراض کرنے سے بچنے کا نام تصوف ہے۔

امام غزالی نے کہا:

"فھو عبارۃٌ عن تجرد القلب للہ تعالیٰ و استحقار ماسوی اللہ، و حاصلہ یرجع الیٰ عمل القلب و الجوارح"(۲۵)

تصوف اللہ تعالیٰ کے لئے دل کو خالی کرنا اور اللہ کے ماسوی کو (دل میں) جگہ نہ دینے سے عبارت ہے، اور اس کا حاصل دل اور (باقی) تمام اعضاء عمل کی طرف پلٹنا۔

کتانی نے تصوف کے بارے میں کہا:

"خلق، فمن زاد علیک فی الخلق فقد زاد علیک فی الصفاء"(۲۶)

تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے۔ پس تم میں سے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے زیادہ اچھا ہوگا۔

شبلی نے ایک اور طرح سے تصوف کے بارے یوں کہا:

"التصوف: الجلوس مع اللہ بلاھَمّ"(۲۷)

اللہ کے بغیر کسی غم کے بیٹھنے کا نام ہے۔

ڈاکٹر ابراہیم انیس نے لکھا:

"التصوفُ طريقةُ سلوكيةُ قوامها التقشفُ والتجلى بالفضائلِ لتزكو النفس وتسمو الروح"(۲۸)

تصوف ایک ایسا سلوک کا طریقہ ہے جس کے مبادیات اعلیٰ اخلاق کے ساتھ اپنے آپ کو پابند کرنا اور عمدہ کرنا تا کہ نفس کا تزکیہ ہو اور روح کی نشوونما ہو جائے۔

اس طرح صوف سے تصوف بنا مگر عملی طور پر یہ ایک باقاعدہ طرز حیات ہے۔اس بارے بشیر احمد ڈار نے کہا:

''تصوف عملی طور پر وہ طریقہ حیات ہے جس کا مقصود ذاتِ خداوندی سے بلاواسطہ رابطہ پیدا کرنا ہے۔''(۲۹)

سید محمد ذوقی شاہ نے کہا:

''یہ ایک سائنس یا آرٹ ہے جس کے ذریعے انسان کی روحانی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے اور حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال کے حقائق ورموز تک رسائی ہوتی ہے۔''(۳۰)

تصوف سے باطن منور ہوتا ہے۔اس بارے خواجہ امام بخش مہاروی کا مؤقف کچھ یوں ہے:

''تصوف سے صفائے قلب کی شعاعیں اعضائے جوارح کے اعمال میں منعکس ہوتی ہے اور انسان کے ظاہر وباطن کو نورانیت عطا ہوتی ہے۔''(۳۱)

یہ وہ سائنس ہے جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے تو ظاہر ہے اس کے نتائج بھی عملاً اسی طرح برآمد ہوں گے۔تصوف،قرآن اور سنت رسول اللہ پر مبنی ہے۔

حضرت فریدالدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''تصوف صاف دلی کے ساتھ مولیٰ کی دوستی کا نام ہے''(۳۲)

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا:

''شریعت ہی ہر علم کی روح رواں ہے۔بغیر شریعت کے زندگی سراسر بے حیائی اور شرمندگی ہے،شریعت کی اصل قرآن وحدیث ہے،قرآن سے کوئی چیز بھی باہر نہیں اور نہ ہی ہوگی۔''(۳۳)

حضرت سلطان باہو رحمتہ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''صاحب تصوف آنست کہ باالہام ہمہ سخن کلام اللہ باخدا باشد''۔(۳۴)

صاحب تصوف وہ ہے جو الہام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی تمام باتوں کا ادراک رکھتا ہو۔

ابوعلی روذباری نے کہا:

"الصوفی مَنْ لبس الصوفَ علی الصفا و اذاق الھویٰ طعم الجفا و لزم طریق المصطفیٰ و کانت الدنیا منہ علی القفا"۔ (۳۵)

صوفی وہ ہے جو صفائے قلب کے ساتھ پوشی کرتا ہو اور ہوائے نفسانی کو سختی کا مزہ چکھاتا ہو، شریعت مصطفی ﷺ کو لازم کر لیتا ہو اور دنیا کو پس پشت ڈال دیتا ہو۔

درج بالا اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفی اپنے آپ کو شریعت مصطفوی ﷺ کا پابند رکھنے والا ہے، تزکیہ نفس اس کا مطمع نظر ہوتا ہے، قلبی صفائی اس کی غرض ہوتی ہے، ریا کاری اور نمود و نمائش سے اسے سخت نفرت ہوتی ہے۔ رضائے خدا اس کا مقصود ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی نے ابن العربی کا ایک قول نقل کیا ہے:۔

"قال ابن العربی: و ھو شعار المتقین و لباس الصالحین و شارۃ الصحابۃ و التابعین، و اختیار الزھاد و العارفین، و ھو یلبس لینا و خشینا و جیدا ۔۔۔ و الیہ نسب جماعۃ من الناس الصوفیۃ، لانہ لباسھم فی الغالب"(۳۶)

ابن العربی نے کہا (اونی لباس پہننا) متقین کا شعار اور صالحین کا لباس ہے اور صحابہ کرام اور تابعین کی زینت ہے، زاہدین اور عارفین کا انتخاب ہے۔ وہ عام، کھردرا، اچھا، راحت نہ دینے والا اور معمولی سا لباس زیبِ تن کرتے تھے اور اسی کی طرف لوگوں کی ایک جماعت صوفیہ منسوب ہے، اور یہ ان کے اکثر اوقات کے لباس کی وجہ سے ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کہا:۔

''اخلاق کی اصلاح، باطن کی صفائی، صفاتِ کاملہ سے موصوف ہونا، اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہونا، راہِ حق پر قائم رہنا، حقوق کا ادا کرنا، دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مختص کر دینا، اس کے ماسوا سے رغبت ہونا، (مذموم) انسانی اوصاف کا فنا ہو جانا، دین کے بارے میں یقین حاصل کرنا، دنیا کا ترک کرنا، بے فائدہ کاموں سے گریز کرنا، تقویٰ کی پابندی اور مولائے کریم جل شانہ کی محبت''۔ (۳۷)

فقیہِ شہیر علامہ شامی نے کہا:

"الطریقۃ و الشریعۃ متلازمۃ"۔ (۳۸)

طریقت اور شریعت لازم وملزوم ہیں۔

مجدد الف ثانی نے ملا حاجی محمد لاہوری کو لکھا:۔

"شریعت را سہ جزو است علم و عمل و اخلاص۔۔۔۔۔ طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز گشتہ اندھر دو خادمِ شریعت اندو رتکمیلِ جزوِ ثالث کہ اخلاص است پس مقصود از تحصیلِ آں ہر دو تکمیلِ شریعت است نہ امرِ دیگر۔"(۳۹)

شریعت کے تین اجزاء ہیں۔ ا۔علم ۲۔عمل ۳۔اخلاص۔طریقت اور حقیقت کہ جس سے صوفیہ ممتاز ہوئے ہیں یہ دونوں شریعت کی خادم ہیں اور تیسرے جزو اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں پس ان کی تکمیل سے شریعت کی ہی تکمیل ہے نہ کہ کوئی اور چیز (مقصود ہے)۔

حضرت مجدد الف ثانی جو کہ بہت بڑے عالم اور صفی بزرگ ہیں ان کے مذکورہ بالا کلام سے اس بات کی وضاحت ہوگئی کہ صوفیہ کے نزدیک علم پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہی عرفِ عام میں تصوف ہے۔

شریعت مطہرہ کی روح ہی کا نام تصوف اسلامی ہے۔اس حقیقت کا مؤید ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا مؤقف ہے:

"اس راہ طریقہ وتصوف میں وہی کامیاب وصاحب مراتب ہوتا ہے جو شریعت پر ثابت قدم رہتا ہے اور اس کے احکام سے سرمو تجاوز نہیں کرتا۔"(۴۰)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے:

"تصوف کی جڑیں رسول اللہ ا کی گوشہ گیری کے اس عمل میں پائی جاتی ہیں جو حضورِ اقدس ؐنزولِ وحی سے پہلے ماہ رمضان میں غارِ حرا میں فرمایا کرتے تھے"۔(۴۱)

یوسف سلیم چشتی نے تصوف کا اصطلاحی مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"نفس کا تزکیہ وتجلیہ کرنا تا کہ آئینہ قلب میں (عکس رخ یار"منعکس ہو سکے۔"(۴۲)

ضیاء الحسن فاروقی نے لکھا:۔

"قرآن میں جو مقصد تزکیہ وحکمت کے الفاظ میں بیان ہوا ہے اسی مقصد کے حصول کا نام تصوف ہے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ جس مقصد کے حصول کے لئے تزکیہ نفس کرایا جاتا ہے اس کو تصوف کہتے ہیں،حدیث نبوی کی رو سے اس کے لیے احسان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے"۔(۴۳)

سید محمد فاروق القادری رقم طراز ہیں:

''نہ اسلام دو ہیں نہ تصوف اسلام سے الگ کوئی تحریک ۔تصوف اسلام ہی کے عملی پہلو کا نام ہے ۔۔۔تصوف ،جس کا مقصد عبادات میں حسن اور دلکشی پیدا کرنا ہے ۔۔۔''(۴۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق حسنہ کا حامل شخص صوفی ہے اور وہ اخلاق حسنہ صبر،توکل،تقویٰ، تواضع ،قناعت، زہد،شکر،محبت، ادب،تحمل،عفو ودرگزر،فکر، ذکر،محاسبہ،یقین،خلوت نشینی، استقامت، خلوص،سخاوت، ایثار،سادگی، احسان اور اطاعت وغیرہ جیسے اخلاقی افعال ہیں ۔

دنیاوی علائق سے کٹنا اللہ کا ہی ہو کر رہنا سنت مصطفی اپر اخلاص سے عمل پیرا ہونا، اخلاق حسنہ کا مالک ہونا، اخلاق رذیلہ کا ترک ،تواضع اختیار کرنا، اللہ کے لئے محبت ، اللہ سے محبت، اللہ کے لئے دشمنی،تحمل وبردباری،عفو درگزر جیسے دیگر اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ سے متصف ہونا وغیرہ تصوف ہے۔

درج بالا تمام لغوی و اصطلاحی تعریفات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو تصوف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ مطہرہ پر خلوص سے چلنے کا نام ہے کیوں کہ یہ بات مسلمہ ہے کہ کسی بھی شخص سے متعلقہ کوئی بات یا خبر ہو یا اس سے منسوب کوئی مؤقف ہو تو جتنی اس کی حقیقت اور وضاحت وہ خود کر سکتا ہے اتنی اس سے متعلق اور کسی کی وضاحت اہمیت نہیں رکھتی ،تو تصوف چونکہ صوفیہ کے طریق اور روش کا نام ہے اور ان سے اس کا انتساب معروف ہے تو ان کے ہاں جو اس کا مطلب ہے یا اس کی وضاحت میں ان کا جو کلام ہے اس کا خلاصہ اور نتیجہ یہ ہے کہ تصوف خلوصِ دل اور صدقِ نیت سے اسلام پر مکمل عمل پیرا ہونے کو کہتے ہیں ۔تو پھر لفظ تصوف اپنی لغوی اور اصطلاحی تعریفات اور معانی ومطالب کی روشنی میں نہ تو کسی نئی فکر کا نام ہے اور نہ ہی یہ کوئی اسلام کے متوازی کوئی نیا طریقہ یا روش ہے بلکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے اس کا وجود دورِ نبوی سے ہے اور اس کی روح کا آغاز اس وقت ہو گیا تھا جس وقت قرآن کریم میں تزکیہ اور حدیثِ مبارکہ میں احسان کے الفاظ کا ورود ہو رہا تھا۔

♦♦♦

حوالہ جات

۱۔ جوہری، اسماعیل بن حماد: الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة، (بیروت، دار العلم للملایین) ۱۴۰۸ھ ۱/ ۲۴۰۱

۲۔ ابن منظور، محمد بن مکرم: لسان العرب، (بیروت، دار صادر) بدون سن، تحت مادہ صفا، ۱۴/ ۴۶۲

۳۔ زبیدی، محمد بن محمد: تاج العروس من جواہر القاموس، تحت مادہ صفو

۴۔ القشیری، عبد الکریم ھوازن، ابوالقاسم: الرسالہ القشیریہ معی حاشیة العروسی، (دمشق: جامع الدرویشیہ) س ن، ۳/ ۴

۵۔ ایضاً

۶۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر: تاریخ تصوف، (لاہور: دار الکتاب) س ن، صفحہ ۹۹

۷۔ محمد حسینی، سید: جوامع الکلم (مرتب: محمد حسینی اکبر)، (کراچی، نفیس اکیڈمی)، ۱۹۸۵ء، ص ۲۸

۸۔ امان اللہ، ڈاکٹر: اسلام اور خانقاہی نظام، (لاہور، دار السلام)، ۲۰۰۸ء، ص ۳۱

۹۔ حاکم، محمد بن عبد اللہ، ابوعبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین (بیروت، دار الکتب العلمیہ) ۱۹۹۰ء، ۱/ ۱۲۹

۱۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، (لاہور، مکتبہ رحمانیہ) س ن، ۲/ ۳۸۵

۱۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبد اللہ: سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب لباس رسول اللہ ﷺ (رقم: ۳۵۴۶)

۱۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب لبس جبة الصوف فی الغزو

۱۳۔ Encyclopedia of America, USA, 1982,Vol:25,P:849

۱۴۔ شبلی نعمانی: الغزالی، (لاہور، ایم ثناء اللہ خان)، ۱۹۵۸ء، ص ۲۷۷

۱۵۔ جیلانی عبد القادر، سید: غنیة الطالبین، (ترتیب جدید: عبد المجید صدیقی)، (لاہور: المیزان)، ۲۰۰۴ء، ص ۵۹۷

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ الہجویری، علی بن عثمان: کشف المحجوب فارسی، (لاہور، تاجران کتب) ۱۳۴۲ھ صفحہ ۱۳

۱۸ ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم: الاستقامة، (تحقیق: محمد رشاد سالم)، (مدینہ منورہ، جامع ابن سعود)، ۱۴۰۳ھ، ۲/ ۱۵

۱۹۔ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت: الزہد والرقائق، (بیروت، دار البشائر الاسلامیہ)، ۱۴۲۵ء، ۱/ ۶۶

۲۰۔ القشیری: الرسالة، ۳/ ۶

۲۱۔ ایضاً ۳/۵
۲۲۔ خطیب بغدادی: الزہد والرقائق، ۱/ ۷۷
۲۳۔ القشیری: الرسالۃ، ۳/ ۶
۲۴۔ ایضاً ۳/ ۱۱
۲۵۔ الغزالی، محمد بن محمد، ابوحامد، امام: احیاء العلوم الدین، (بیروت، دار المعرفۃ) س ن، ۲/ ۲۵۰
۲۶۔ القشیری: الرسالۃ، ۳/ ۷
۲۷۔ ایضاً ۳/ ۸
۲۸۔ ابراہیم مانیس، ڈاکٹر: المعجم الوسیط، (تہران، انتشارات، ناصر خسرو) ۱۳۹۲ھ، ۱/ ۵۲۹
۲۹۔ ڈار، بشیر احمد: تاریخ تصوف قبل از اسلام، (لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ) ۱۹۶۲، ص ا
۳۰۔ محمد ذوقی شاہ، سید: حقیقت تصوف، (لاہور، الکتاب)، ۱۹۷۸ء، ص ۱۵
۳۱۔ مہاروی، امام بخش، خواجہ: مخزن چشت، (فیصل آباد، چشتیہ اکیڈمی)، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲
۳۲۔ گنج شکر، فرید الدین: ملفوظات، (مرتب: بدر الدین اسحاق، مترجم: پروفیسر محمد معین الدین) لاہور: نفیس اکیڈمی، طبع سوم، ۱۹۸۳ء، صفحہ ۱۲۸
۳۳۔ سلطان باہو: امیر الکونین، (مترجم: محمد شریف عارف)، (لاہور، پروگریسو بکس) طبع اول، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۳
۳۴۔ سلطان باہو: عین العارفین، (متن مع اردو ترجمہ، مترجم: پروفیسر ڈاکٹر نسیم)، (لاہور، حق باہو منزل)، ۱۹۹۸ء، ص ۵۰
۳۵۔ میر ولی الدین، ڈاکٹر: قرآن اور تصوف، (کراچی، سٹی بک پوائنٹ) ۲۰۰۵ء، صفحہ ۱۱
۳۶۔ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد: الجامع لاحکام القرآن، (الریاض، دار عالم الکتب)، ۲۰۰۳ء، ۱۰/ ۷۰
۳۷۔ دہلوی، عبدالحق، محدث: تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف، (مترجم: علامہ عبدالحکیم شرف قادری)، (لاہور، الممتاز پبلی کیشنز)، ۱۹۹۹ء، ص ۹۴-۹۳
۳۸۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر: حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، (بیروت، دار الفکر) ۱۴۲۱ھ ۴/ ۲۳۹
۳۹۔ مجدد الف ثانی۔ احمد سرہندی: مکتوبات امام ربانی، (کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی) ۱۳۹۷ھ مکتوب ۳۶، ۱/ ۱۰۱
۴۰۔ محمد اسحاق قریشی، ڈاکٹر: تصوف (مجموعہ مقالات)، (آزاد کشمیر، محی الدین اسلامی یونیورسٹی)، ۲۰۰۰ء، ص ۲۳۹

۴۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور، دانش گاہ پنجاب)، ۱۹۶۲ء، مادہ: تصوف، ۴/ ۴۲۹

۴۲۔ یوسف سلیم چشتی، پروفیسر: تاریخ تصوف، صفحہ ۹۹

۴۳۔ فاروقی، ضیاالحسن، پروفیسر، آئینہ تصوف، لاہور: تصوف فاؤنڈیشن، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، ص ۳۰

۴۴۔ محمد فاروق، سید: مقدمہ خلاصۃ المفاخر، مصنف: محمد عبداللہ یافعی، (لاہور: تصوف فاؤنڈیشن) ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، ص ۳۵

◆◆◆

تصوف کے مآخذ سے متعلق بعض آراء کا جائزہ

پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین الکردیؒ ☆
مترجم: ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ☆☆

Abstract:

The Holy Quran has its miraculous nature, its revelation completed in the period of 23years on the Holy Prophet(S.A.W.(So to take understanding about the exact meanings and philosophy of the verses of the Holy Quran, the capital need of Hadith and Sunnah of the Holy Prophet (S.A.W(existed. The Holy Prophet(S.A.W(stated that the verses of its Holy Quran have apparently and hidden meanings. The secret and internal meanings and understanding is called mystical penetration(Sofiana) understanding and sense.(The Holy Quran also exhorted its readers for taking exact secret and philosophical meanings of its wording. So, the translator and interpreter of the Holy Quran also adopted mystical(Sofiana) way to give the understanding of the verses of the Holy Quran to its readers. There are rich trends are found in this regard among the exegetists of the Holy Quran. Mystical(Sofiana) exegesises are also introduced and discussed with their evolutionary passage of time.

☆ سابق پروفیسر کلیۃ اُصول الدین، قسم العقیدۃ والفلسفۃ، جامعۃ الأزہر
☆☆ شعبہ عربی، منہاج یونیورسٹی، لاہور

Key Words:

Holy Quran, Holy Prophet, Philosophy, Hadith, Sunnah, Mystical, Verses, Readers, Evolutionary.

بعض مستشرقین نے کوشش کی ہے کہ تصوف سے اس کا اسلامی تشخص چھین کر اسے اس کے اس طبعی ماحول اور اس فضا سے الگ کر دیں جس میں یہ شجر سایہ دار پھلا پھولا اور پھر اس نے پھل دیا اور پھر اس کا پھل پکا، مستشرقین نے اس معاملے میں بہت سی منفی کوششیں کیں جن کی بنیادیں یا تو دینی عصبیت سے اٹھیں یا علاقائیت سے، وہ چاہتے تھے کہ اسلام کو ہر فضیلت، ہر خوبی اور تمام اقدار سے الگ کر دیا جائے تو انہوں نے کہا: ''تصوف مسیحیت کے باقی ماندہ آثار میں سے ہے۔''(۱)

تصوف پر مسیحیت کا اثر

مستشرقین اپنی گفتگو میں یہ گمان کرتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے عربوں میں دینی سوچ اور فکر بہت کم تھی کیونکہ انہیں دنیاوی زندگی سے لطف اندوزی نے اخروی زندگی کے بارے میں سوچنے سے روک رکھا تھا، اس لیے وہ اپنی پسندیدہ دنیاوی زندگی سے منہ موڑ کر اخروی زندگی کی طرف متوجہ ہونے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ وہ مسیحیت جو جزیرۂ عربیہ کے شمالی حصے میں پھیلی ہوئی تھی اور وہ مسیحیت جس سے اہل عرب اپنے تجارتی اسفار کے دوران متعارف ہوئے اور انہوں نے گرجوں میں جاری رسومات کا بچشم خود مشاہدہ کیا، اس نے عربوں کے قلوب واذھان میں ''زھد'' کے بیج بوئے جو بعد میں عظیم اسلامی ریاست کے زیر سایہ پھلے پھولے اور پروان چڑھے، وہ حنفاء کون تھے، جن کے بارے میں تاریخ ہمیں مطلع کرتی ہے اور جن سے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی بعد میں متاثر ہوئے؟ کیا وہ لوگ مسیحیت کے آثار میں سے نہیں تھے؟ کیا یہی وہ لوگ نہیں تھے جنہوں نے اون کا لباس پہنا اور اپنے آپ پر کھانے کی بہت سی اقسام کو حرام کیا؟

اسلامی دور کے ابتدائی ایام میں برپا ہونے والی ''زھد'' کی تحریک ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام میں مسیحیت کی تاثیر کس قدر گہری تھی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ابتدائی پیروکار تمام رات یا رات کے بعض حصے میں تہجد پڑھتے اور عبادت کرتے تھے، پھر بعد میں یہ ''زھد'' آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا۔

''زھد'' اُن خصائص میں سے نہ تھا جو اسلام کی یا نبی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پہچان بنے،

اس لئے کہ نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہی منقول ہے کہ آپ نے وہ تمام نعمتیں حاصل کیں جو آپ کی دسترس میں تھیں اور آپ نے اپنے پیروکاروں پر زیب وزینت اور پاکیزہ رزق کی ان انواع واقسام کو بھی حرام نہیں کیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے ظاہر فرمایا، یہ درست ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے کچھ حدود اور قیود بھی رکھی ہیں جن کا زھد سے مضبوط تعلق ہے، جیسے کہ رمضان کے روزے اور شراب کی حرمت ہے، علاوہ ازیں پانچ نمازیں ہیں جن کا ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے نیز بیت اللہ کا حج اور دیگر کئی امور ہیں، یہ فرائض ایک واضح مفہوم رکھتے ہیں، یہ اسلام کی معاشرتی، عملی اور شدت پسندی کی روح کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ صفات ''زھد'' تسلیم ورضا اور دنیا سے بے رغبتی جیسے امور کے منافی ہیں۔ اسلام دنیا اور آخرت کے درمیان عمل اور عبادات کے درمیان ایک ربط پیدا کرتا ہے، آپ اللہ کا یہ قول پڑھیں۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ (۲)

''اور جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔''

اس آیت سے اسلام کی عملی روح جھلکتی ہے۔ اور اگر ہم قرآن میں مذکور اُن آیات سے صرف نظر بھی کریں جو کہ عمومی انداز میں دنیا اور اس کی زیب وزینت کی تحقیر کرتی ہیں، عمل صالح اور اللہ پر بھروسے کی تلقین کرتی ہیں تو ہمیں ایسی آیات بہت کم دکھائی دیتی ہیں جن سے زھد کا رنگ جھلکتا ہو۔ (۳)

قرآن کریم میں لفظ زھد ذکر نہیں ہوا بلکہ ''زاھدین'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ذکر ہوا ہے:

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ۔ (۴)

''اور بھائیوں نے اُسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا اور اُنہیں اُس سے کچھ رغبت نہ تھی۔''

اور یہاں اس لفظ کا صوفی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ یہ کلمہ یہاں امامت کے معنی میں مذکور ہے لیکن لفظ ''تبتّل'' قرآن میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔ (۵)

''اور اپنے ربّ کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہو۔''

یہاں ''تبتّل'' سے مراد عبادت کی انواع میں سے ایک قسم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے

اورقرآن کریم میں زھاد کا وصف بیان کرنے والے بعض الفاظ بھی ذکر ہوئے ہیں جیسے کہ ارشاد باری ہے:

اَلتَّـآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔(۶)

''توبہ والے، عبادت والے، سراہنے والے، روزے والے، رکوع والے، سجدہ والے، بھلائی کے بتانے والے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ۔(۷)

''ایمان والیاں، ادب والیاں، توبہ والیاں، بندگی والیاں، روزہ داریں، بیاہیاں اور کنواریاں۔''

اس بات میں کچھ شک نہیں ہے کہ مسلمان اہل قلم نے زُھد کے حوالے سے جو کچھ لکھا انہوں نے اپنے خاص نظریات کے مطابق قرآنی آیات کی تاویل کی ہے اور انہوں نے بہت سے کلمات کے نئے معانی لئے ہیں اور اسطرح وہ ظاہری معانی سے ہٹ گئے ہیں، الٰہی کلمات میں سے ذکر اور توکل کے دو لفظ ہیں۔(۸)

لفظ زھد تصوف کے اوّلین لوازمات میں سے پہلے، یہ اصطلاح اسلام کے اصلی عناصر میں سے نہیں تھی، کیونکہ اکثر اوقات میں نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اوران عربوں نے جو آپ کے پرچم کے تلے جمع ہوئے اپنی دسترس میں آنے والے وسائل کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کی، اس وقت جبکہ اسلام اپنے ابتدائی مرحلے میں تھا مسلمانوں کے درمیان وہ متقی لوگ تھے جنہیں قُراء اور (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) گریہ وزاری کرنے والے کہا جاتا ہے، یعنی اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہانے والے، بلاشبہ اسلام میں مالِ غنیمت کی توقع اسلام کے پھیلنے میں بہت اہمیت کا باعث تھی، اس بات کو نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس وقت محسوس کرلیا تھا جب آپ نے اپنے لشکر کو ان اموال غنیمت کے واسطہ سے برانگیختہ کیا جن کا اللہ تعالیٰ نے مجاہدین سے وعدہ کیا تھا، جب ہم مغازی کے قدیم قصے پڑھتے ہیں تو ہم ان جنگوں کے نتیجے میں اموالِ غنیمت اور اسیروں میں سے مجاہدین کو حاصل ہونے

والے حصوں کو دیکھ کر حیران رہ جاتے اور یہ ایک فطری اور حتمی اثر ہے جو ہر مقدس جنگ کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے۔(۹)

مستشرقین اور ہمارا مؤقف

مسیحیت سے اسلام کے متاثر ہونے پر مشتمل مستشرقین کی رائے کے حوالے سے ہمارا موقف اپنے دھیمے پن کے ساتھ درج ذیل دو بنیادوں پر مشتمل ہے:

ہمارے موقف کی پہلی بنیاد

عربوں میں مسیحیت کی تاثیر کا نظریہ قبول کیا جا سکتا ہے اگر مسیحیت مستشرقین کی رائے کے مطابق اپنے علاقوں سے نکل کر عربوں کے غیر مسیحی علاقوں میں پہنچی ہو اور اُسے عربوں کی روایتی سادگی کے ساتھ ہم آہنگی حاصل ہوگئی ہو، کیونکہ عرب ایک ایسے ماحول میں زندگی گزار رہے تھے جہاں ہر طرف زرد رنگت والی ریت بکھری ہوئی تھی، جا بجا پانی کے چشمے تھے جن سے عرب اور ان کے چوپائے سیراب ہوتے تھے، وہ انسانوں اور چوپایوں کی ضرورت سے بچ جانے والے چشموں اور بارش کے پانی سے مختصر ترین کاشتکاری کیا کرتے تھے۔

عربوں کی اس سادہ سی زندگی میں کہیں بھی آپ کو ڈھونڈنے سے بھی الجھاؤ اور مشکل پسندی نظر نہیں آئے گی۔ اور جب کوئی عربی اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا، تو وہ اُسی سادگی سے قرب الٰہی حاصل کرتا جس سادگی سے پانی اور ہوا تک رسائی حاصل کرتا تھا، اِس لئے مسیحیت جزیزۂ عربیہ کے شمالی علاقے نجران تک محدود ہو کر رہ گئی اور اسے دیگر علاقوں میں اثر و نفوذ حاصل نہ ہوا، وہ عرب جن کے پاس مکہ میں ایک مقدس مرکز خانہ کعبہ تھا جس کا وہ مسیحیت کے جزیرۂ عربیہ میں پہنچنے سے بہت پہلے طواف کرتے آئے تھے جہاں وہ اپنے ربّ کو پکارتے تھے۔

کیا کوئی ذی شعور یہ تصور کر سکتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے خانہ کعبہ پر حملہ کی غرض سے آنے والے ہاتھیوں کی آمد کے دن اللہ کی جو پناہ حاصل کی تھی وہ مسیحیت کے زیر اثر تھی؟ کیونکہ اس وقت عربوں کے اور بعد میں مسلمانوں کے کعبہ کو گرانے کے لیے آنے والے لوگ تو خود مسیحی تھے۔

جبکہ حنفاء وہ لوگ تھے جنہوں نے بت پرستی کا انکار کر دیا تھا اور وہ سچے آسمانی دین کی تلاش میں

تھے اوراس وقت صرف وہی اس راستے پر گامزن نہیں تھے، اگر ہم عربوں کے ساتھ علمی انصاف کریں تو ہم انہیں اس حال میں پائیں گے کہ وہ بتوں کو حقیقی معبود نہیں سمجھتے تھے،قرآن بتاتا ہے:

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط۔ (۱۰)

''اور اگر تم اُن سے پوچھو: آسمان اور زمیں کس نے بنائے؟ تو ضرور کہیں گے: اللہ نے۔''

اورقرآن کے مطابق اگر آپ ان مشرکوں سے سوال کریں گے:''تم بت پرستی کیوں کرتے ہو؟'' تو وہ کہیں گے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ط۔ (۱۱)

''ہم تو اِنہیں صرف اِتنی بات کے لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں۔''

یہ حنفاء قربِ الٰہی کے لئے بت پرستی کیا کرتے تھے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے براہ راست قرب اور تعلق چاہتے تھے، جیسے انہوں نے بت پرستی کو ٹھکرایا تھا بالکل اسی طرح مسیحیت کو بھی ناپسند کیا تھا، یہاں تک کہ ورقہ بن نوفل کے بارے میں بھی ہمیں یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ عبرانی کتب پڑھا کرتا تھا، کتب پڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے میں بہت فرق ہے اوراسی طرح دین اختیار کرنے اور مسیحیت کو اختیار کرنے میں بھی واضح فرق ہے۔

عربوں میں اون کا لباس پہننے کے رجحان کو آپ کیا کہیں گے؟ وہ قوم کون سا لباس پہنے جہاں نہ تو کپاس کاشت ہوتی ہے۔ اور نہ ہی ریشم پیدا کرنے والا کیڑا پالنے کے اسباب میسر ہیں؟ بلکہ ان کے پاس یا تو اونٹ ہیں یا بھیڑیں، جن کے بالوں اور چمڑے سے وہ اپنے لئے استعمال کی چیزیں بناتے تھے، اُن عربوں کی دولت اونٹ، بکریاں اور بھیڑیں ہی تھیں جو اس وقت چرتے تھے جبکہ آسمان سے بارش برستی اور زمین سے سبزہ اُگتا تھا، ان حالات میں عرب اون کے علاوہ کونسا لباس پہنتے؟ کیونکہ وہ اپنے صحرائی علاقے میں اپنے جسم کو ڈھانپنے کے لئے اون کے علاوہ کچھ نہیں پاتے تھے، اس لئے ان لوگوں کا اون پہننا ان کے درمیان مسیحیت پھیلنے کے زیر اثر نہیں بلکہ ان کے ماحول کے زیر اثر تھا۔

ہمارے موقف کی دوسری بنیاد

اگر مستشرقین کے نزدیک بھوک، جسم کو نہ ڈھانپنے، فقط منظر اور جسم کو حرکت اور قوت دینے والی اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے محروم کر کے اپنی جان کو اذیت دینے کا نام زھد ہے تو اسلام ایسے زھد پر واقعی مشتمل نہیں ہے، ایسے مفہوم پر مشتمل زھد کو نہ تو اسلام کوئی اہمیت دیتا ہے نہ اسے مانتا ہے اور نہ ہی اسے پسند کرتا ہے۔ اسلام میں زھد کا معنی یہ ہے کہ دنیا مسلمانوں کے دل کو آخرت سے غافل کر کے اس پر قبضہ نہ جمالے۔ اسلامی مفہوم کے ساتھ زھد یہ ہے کہ دنیا اپنی وسعت اور کثرت کے باوجود بندۂ مؤمن کے اس دل پر اثر انداز نہ ہو جو اپنے ربّ سے جڑا ہوا ہے اور اس دل کی دنیا اپنی آخرت کی جستجو تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، اگر بندۂ مؤمن نے ربّ کی رضا کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دنیا کو طلب کیا ہے تو ایسی دنیا کے ساتھ اس کا نفس فرمانبردار ہو گیا ہے، یہی نہیں بلکہ وہ تو اللہ کی رضا کا پروانہ حاصل ہونے پر خوش وخرم بھی ہو گیا جس کا سبب دنیا اور اس کی وسعت بنی۔ بلکہ اسلام تو اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی صحت کی حفاظت کریں تاکہ وہ اس عبادت پر قدرت حاصل کر سکیں جس کا ایک جز جہاد بھی ہے۔

اسلام میں جہاد فقط مال غنیمت جمع کرنے کا ذریعہ نہیں ہے، کیونکہ جو فقط مال غنیمت کا طالب ہے وہ تو جہاد کے لئے نکلتا ہی نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے لشکر سے بڑی اور زیادہ ساز وسامان فوج سے ٹکرانے والا ہے، کیونکہ وہ ایسے لشکر سے جنگ کو موت تصور کرتا ہے اس لئے وہ نہ کثیر مال غنیمت تک پہنچتا ہے نہ قلیل مال غنیمت تک، مجاہد کے پیش نظر مال غنیمت نہیں کوئی اور ارفع واعلیٰ مقصد ہوتا ہے، وہ دنیا میں عدل وانصاف پھیلانے کے لئے سربکف ہوتا ہے۔

اسلامی تاریخ پر انصاف کی نظر یہ بات واضح کرتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کثیر غنیمتوں کی طرف اپنی مرضی سے نہیں گئے بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کی اجازت فرمائی تب آپ جہاد کے راستے پر چلے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ط وَاِنَّ اللهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُo الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللهُ ط وَلَوْ لَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللهِ

كَثِيْرًا ط وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ o اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (۱۲)

پروانگی عطا ہوئی اُنہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اِس بناء پر کہ اُن پر ظلم ہوا۔ اور بے شک اللہ اُن کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ اُنہوں نے کہا: ہمارا ربّ اللہ ہے۔ اور اللہ اگر آدمیوں میں سے ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں خانقاہیں اور گرجا گھر اور کلیسہ اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے۔ اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اُس کی جو اُس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ قوت والا غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم اُنہیں زمین میں قابو دیں تو نماز برپا رکھیں اور زکوۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے لئے ہے سب کاموں کا انجام۔''

اسلام میں جہاد سچے سماوی دین والوں کو آزادی سے ان کی عبادات کی ادائیگی کا مواقع فراہم کرتا ہے اور حق کا دامن تھام کر مسلمانوں کو اپنا پیغام پھیلانے کے مواقع مہیا کرنا ہے، اگر جہاد صرف اموال غنیمت اکٹھے کرنے کا نام ہوتا تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو زمین میں اقتدار عطا نہ فرماتا، یہی وجہ ہے کہ مادی اسباب کی کثرت کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب واذھان دنیا کی محبت سے ناآشنا رہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیاوی امور میں مگن نہیں ہوئے، انہوں نے دنیاوی امور کو نظم وضبط دیا، انہوں نے انسانیت کو یہ بتایا کہ لوگ جائز طریقے سے کیسے اپنے مال ودولت کو بڑھا سکتے ہیں، اس بات کا انکار تو ہٹ دھرمی کرنے والا ہی کرسکتا ہے، اس لئے کہ ان دو باتوں میں فرق واضح ہے کہ میں اپنے مال ودولت کی یوں حفاظت کروں کہ حلال کماؤں اور اسے خیر کے راستے میں خرچ کروں اور اس بات میں کہ دنیا میری غایت ہو اور میری آرزوؤں کا محور اور مرکز ہو۔ پہلی بات پر عمل کرنے والے نے اپنے آپ کو ضائع کردیا اور دوسری بات پر عمل کرنے والے نے خود نفع حاصل کیا اور دوسروں کو بھی نفع دیا صبح کے وقت مال ضائع کرنے والے کو عقل کہتی ہے: ''شام کے وقت بھی ہوش کے ناخن لے لو'' اور حلال طریقے سے مال کما کر حلال راستوں پر خرچ کرنے والے کو کہتی ہے: ''تم کتنے ہوشمند اور دانا ہو؟'' اور یہی

(حلال کمانا) وہ کام ہے جو اُن اہل تصوف نے کیا ہے جن کے قلوب واذھان اُن دنیاوی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوئے جو لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں، بلکہ ان صوفیائے کرام نے ان دنیاوی چیزوں کو ایسی عزت والی اور آزادانہ زندگی کی طرف وسیلہ بنایا جس میں بھلائی تھی، ایک دوسرے پر مہربانی تھی اور باہمی تعاون تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر تعدد ازدواج کے حوالے سے جو بیہودہ الزام لگائے گئے ہیں وہ سخت ناانصافی پر مشتمل ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی جبکہ اُس وقت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے دسویں سال میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رحلت تک دوسرا نکاح نہیں فرمایا، اس وقت آپ کی عمر مبارک پچاس سال ہو چکی تھی اور یہ عمر کا وہ حصہ ہے جس میں عورتوں کی طرف رغبت کم ہو جاتی ہے ہم اسی بات کو دوسرے زاویے سے یوں کہیں گے؛ ''اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے حوالے سے نرم گوشہ رکھنے والے ہوتے تو کیا آپ اپنی جوانی ایسی خاتون کے ساتھ گزار دیتے جس کی جوانی ڈھل چکی تھی؟ اور جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا تو اس وقت آپ نے سیدہ ہمت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا جو قبل ازیں سکران بن عمرو کے نکاح میں رہی تھیں جو سیدہ سودہ بنت زمعہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس کے دو سال بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا اور اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچپن سال تھی۔ میں یہاں تعدد ازدواج کی حاکمتیں بیان نہیں کر رہا، یہ ایک الگ موضوع ہے، مگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ عمر رسیدہ خواتین سے ہی مختلف حکمتوں کے تحت شادی کی تھی۔ ہماری اس گفتگو سے عقل سلیم رکھنے والے لوگ یقیناً متفق ہوں گے لیکن الزام تراشی کرنے والے ہٹ دھرم لوگوں سے ایسی کچھ توقع نہیں۔

تصوف پر اعتراض کرنے والوں نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ تصوف ایرانی فلسفے سے بہت زیادہ متاثر ہے، یہ اُن لوگوں کی رائے ہے جو یہ کہتے ہیں: ''تصوف کی بنیاد خالصتاً ایرانی ہے، کیونکہ

ایرانیوں کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی تصوف متعارف ہوا ایرانی ایسے لوگ ہیں جن کا اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ایک خاص طرز زندگی تھا جسے انہوں نے مسلمانوں میں بھی منتقل کیا جو کہ اسلام میں پہلے موجود نہیں تھا، ایرانی طرز زندگی زھد پر نہیں قوت اور توسیع پسندی پر مشتمل تھا۔ اور اس نظریہ کے پیچھے جو کچھ ہے وہ عیاں ہے، مذکورہ بالا دعوے کا مقصد یہ ہے کہ تصوف کی بنیاد زھد نہیں بلکہ ایرانی عنصر قوت اور توسیع پسندی پر رکھی گئی ہے، اس کے جواب میں زھد وہ تشریح ہی کافی ہے جو کہ پچھلے صفحات میں اُن مستشرقین کا رد کرتے ہوئے کی گئی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں مسیحیت روحانی پہلو سے اثر انداز ہوتی ہے۔

تصوف کا ایرانیوں سے متاثر ہونا اس لئے تھا کہ بہت سے صوفیاء ایران سے تھے، یہ بات بھی درست ہے کہ صوفیاء میں سے بہت سے لوگ ایرانی تھے لیکن اس بات میں بھی کچھ شک وشبہ نہیں کہ صوفیاء کی ایک بڑی تعداد خالصتاً عربی نسل سے تھی جیسے کہ حضرت ذوالنون مصری، طاہر المقدسی، ابوعمرو دمشقی، ابراہیم القصار الرقی، خیر النساج، محی الدین ابن عربی اور عمر بن الفارض رحمۃ اللہ علیہم۔

یہ بات بھی ہمارے سامنے رہے کہ جب ایرانی صوفیاء نے اسلام کے سامنے میں اپنی زندگیاں گزاریں تو اُن کی روحانی زندگی کے جملہ عناصر اسلام ہی سے ماخوذ تھے، یہاں انصاف کی بات یہی ہے کہ ایرانی اسلام کی فکری اور روحانی زندگی سے مکمل طور پر متاثر ہوئے اور یہ امر اس بات سے عیاں ہے کہ انہوں نے عربی زبان کو اپنے نئے دین کی زبان ہونے کے سبب اپنانے کا فیصلہ کیا، اس تناظر میں عربی زبان ان کے ہاں تصنیف وتالیف کی زبان بن گئی، ایسا فقط اسی صورت میں ممکن ہوا جب عربی زبان نے ایرانیوں کی وجدانی کیفیت اور ان کی افکار کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر پیش کرنے کی استعداد حاصل کر لی، ایرانیوں کا داخلی طور پر عربی سے متاثر ہونا نئے دین اور عربی زبان سے محبت کی صورت میں ان کے ظاہر سے بھی عیاں ہو گیا۔

غیر مسلم محققین کی سوچ تصوف میں ایرانی تاثیر تک نہیں رکی بلکہ انہوں نے یہ بھی گمان کیا کہ تصوف ہندوستانی فلسفے سے متاثر ہے، ان لوگوں نے یہ افواہ پھیلائی ہے کہ صوفیاء جو کچھ فناء کی کیفیت اور وحدۃ الوجود کے حوالے سے کہتے ہیں اُس میں اور ہندوؤں کی مقدس کتب میں موجود بعض ایسی ہی

روایات میں بہت زیادہ مشابہت ہے جن کے مطابق ہندومت کا پیروکار ابدی سعادت نروان حاصل کرنے کیلئے اپنے معبود براہمہ میں فنا ہوکراس کے ساتھ پیوست ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی روحانی زندگی اور ان کے فلسفے پر ہندوستان کے بارے میں البیرونی کی کتاب سے پہلے مطلع ہی نہیں ہوئے تھے، دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے ظاہر ہونے کے بعد تصوف کے منظر عام پر آنے اور ہندوستان کے بارے میں البیرونی کی کتاب کے سامنے آنے کے درمیان بہت زیادہ زمانی فاصلہ ہے کیونکہ البیرونی (۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء) میں فوت ہوئے پھر فناء جو ہندوستانیوں کو ان کے معبود سے پیوستگی (اتحاد) تک لے جاتا ہے وہ ان لوگوں کا مقصود ومطلوب ہے، جبکہ صوفیاء کے نزدیک تو فناء کی یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے سلوک کے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے، کسی وقت سالک اس مرحلے کی کیفیات کو محسوس کر کے جب بیان کرتا ہے تو لوگ ان کیفیات کو وحدۃ الوجود کا نام دیتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ کیفیت دیدارِ الٰہی کے بغیر محبوب حقیقی کے انتہائی قرب کی شدید ترین خوشی ہے، کیونکہ دنیا میں دیدار الٰہی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا جبکہ غیر نبی کو فقط انوارِالٰہیہ اور تجلیات حاصل ہوتی ہیں۔

متصوف اپنی زندگی میں اپنے مولا کی رضا کا طلبگار رہتا ہے اور اس عمل کی بدولت اُس کے اور اس کے ربّ کے درمیان ایک تعلق قائم ہوجاتا ہے جس میں ایک طرف بے نیاز ربوبیت ہوتی ہے تو دوسری طرف سراپا نیاز بندگی نظر آتی ہے، یعنی صوفی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ربّ کی ربوبیت اور اپنی بندگی کو پہنچانتے ہوئے خالق اور مخلوق کے درمیان فرق کو ملحوظ خاطر رکھے، نیز خالق ومخلوق کی صفات کو بھی پیشِ نظر رکھے، صوفیاء کے عقیدہ کی واضح ترین صورت منصور حلاج کا درج ذیل قول ہے:

"ألزم الكل الحدث، لأن القِدم له، فالذی بالجسم ظهوره فالعرض يلزمه، والذی بالأداة اجتماعه فقوَاها تمسُكه، والذی يؤلفه وقت يفرّقه وقت، والذی يقيمه غيره فالضرورة تمَسُه، والذی الوهم يظفُر به فالتصوير يرتقی إليه، ومن آواه محل أدركه أين، ومن كان له جنس طالبه مكيف، إنه سبحانه لايظله فوق، ولا يقله تحت، ولا يقابله حدّ، ولا يزاحمه عدّ، ولا يأخذه خلفٌ، ولا يحدُه أمامٌ، ولم يُظهِره قبلٌ، ولم يفنه بعدٌ، ولم يجمعه كلٌ، ولم

یوجده كان، ولم يفقده ليس، وفعله لا علةَ له، وكونه لا أمَدَ له، تنزَّه عن أحوال خلقه، ليس له من خلقه مزاج، ولا في فعله علاج، باينهم بقِدمه، كما باينوه بحدوثهم۔ إن قلت: متى، فقد سبق الوقتَ كونُه، وإن قلتَ هو، فالهاء والواو خلقه۔ وإن قلت: أين، فقد تقدم المكانَ وجودُه، فالحروف آياته، ووجوده إثباته۔ ومعرفته توحيده، تمييزه من خلقه، ماتصوَّر في الأوهام فهو بخلافه، كيف يحل به ما منه بدا؟ أو يعود إليه ماهو أنشأه؟ لاتماقله العيون، ولا تقابله الظنون، قربه كرامته، وبعده أمانته، علوه من غير توقل، ومجيئه من غير تنقُّل، هو الأول والآخر والظاهر والباطن، القريب البعيد الذي ليس كمثله شيء وهو السميع البصير۔"

"میں تمام مخلوقات کے لئے "حدوث" مانتا ہوں، کیونکہ قدیم ہونا فقط اُسی ذات کوزیبا ہے، جس کا ظہور جسم کے ساتھ ہے اسے "حدوث" لازم ہے، جو اسباب کے ساتھ مربوط ہے اسے "تمسک" تقویت دیتا ہے، جسے اُس کا غیر قائم کرتا ہوا سے احتیاج کا سامنا ہوتا ہے، جس پر "وھم" غالب آتا ہے اسے "تصور" کا عمل بلند کرتا ہے، اور جو کسی معین جگہ کیگھیرے میں ہواس کے بارے میں "أین" سے سوال کیا جاتا ہے، جس کی کوئی جنس ہو اُسے "کیف" لاحق ہوتا ہے (حدوث، مجسم ہونا، اسباب سے مربوط ہونا، احتیاج، وہم کا غلبہ، مکانی ہونا اور "کیف" کا لاحق ہونا سب مخلوقات کی صفات ہیں) پاک ہے وہ ذات جو "فوق" اور "تحت" سے پاک ہے، اُس کے لئے کوئی "حد" نہیں (جو اُسے محدود کردے) نہ اُسے "شمار" پیش آتا ہے، نہ اُسے "خلف" (پیچھے) پکڑتا ہے اور نہ "امام" (آگے) اُسے محدود کرتا ہے، نہ اُسے "قبل" نے ظاہر کیا نہ "بعد" اُسے فنا کرتا ہے، لفظ "کل" اُسے مجتمع نہیں کرتا، اُسے "کان" نے ایجاد نہیں کیا، لفظ "لیس" اس کی نفی نہیں کرتا مخلوقات کے اوصاف سے وراء ہونا ہی اس کا وصف ہے، اس کے فعل کی کوئی علت نہیں، اس کے وجود کی انتہاء نہیں، وہ اپنی مخلوق کے احوال سے پاک ہے، اس کی مخلوق میں اس کی مثال نہیں، اس کے فعل میں علت نہیں اور وہ اپنی صفت "قدیم" کے سبب اپنی مخلوق سے جدا ہے جیسے کہ اس کی مخلوق اپنے "حادث"

ہونے کے سب اُس سے مختلف ہے، اگر تم کہو: ''متیٰ'' (کب؟) تو اس کا وجود وقت سے پہلے ہے، اگر تم کہو: ''ھوٗ'' (وہ) تو ھاء اور واؤ اس کی مخلوق ہیں، اگر تم کہو: ''اَینَ'' تو اُس کا وجود مکان سے پہلے ہے، حروف اس کی نشانیاں ہیں، اس کا وجود ہے اس کا اثبات، اس کی وحدانیت اس کی پہچان ہے جو اسے اس کی مخلوقات سے جدا ظاہر کرتی ہے، وہ ہمارے اوھام سے وراء ہے، وہ (بندہ) اس ذات میں کیسے حلول کرسکتا ہے اسے پیدا کیا؟ وہ (بندہ) اس ذات کی طرف کیسے لوٹ سکتا ہے جس نے اسے وجود بخشا؟ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں، گمان اس تک پہنچ نہیں سکتے، اس کا قرب اس کی عطا ہے، اس سے دوری اس کی ناراضگی ہے، اس کی بلندی پستی سے پاک ہے، اُس کا آنا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوئے بغیر ہے، وہی اوّل وآخر ہے، وہی ظاہر وباطن ہے، وہی قریب وبعید ہے، کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔''

یہ حلاج کا عقیدہ ہے جو یہ بتاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو (مخلوق کی صفات سے) پاک مانتے تھے اور ان کے ہاں ثنائیت نہیں تھی جیسے کہ بعض (بے علم) صوفیاء (غلط مفہوم کے ساتھ) وحدۃ الوجود کا اقرار کرتے ہیں حالانکہ حلاج کا عقیدہ ''تنزیہ'' (اللہ کو مخلوقات کی صفات سے پاک ماننا) ہے۔ ''وحدۃ الوجود'' کا تصور اس لئے ابھرا کہ صوفیاء کے الفاظ میں اس معنی اور کیفیت کو بیان کرنے کی استطاعت نہ تھی، اس امر میں زمین وآسماں کا فرق ہے کہ لفظ اپنے مطلوبہ معنی کو ادا کر رہا ہو اور اس امر میں کہ لفظ اپنی تنگ دامانی کے باعث نہ صرف اپنا مطلوبہ معنی ادا نہ کر رہا ہو بلکہ مختلف معنی ومفہوم اور تصور کو اجاگر کر رہا ہو، صوفیائے کرام اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوقات کی صفات سے مکمل پاکی (تنزیہ) کا عقیدہ رکھتے ہیں، بلکہ اُن کا یہ عقیدہ عام مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ گہرائی اور پختگی رکھتا ہے کیونکہ اُن کا یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کی سچی اور گہری معرفت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے، جبکہ اُن کے الفاظ سے ابھرنے والا مفہوم اُن کے خاص روحانی حال کی کیفیت کو بیان کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، جب حلاج کے ایسے وجدانی الفاظ پر ایک طویل عرصہ گزر گیا تو اللہ کے حکم کے نفاذ اور دین کی حفاظت کے لئے ان الفاظ کے ظاہری مفہوم پر شریعت کے مطابق گرفت کی گئی۔

امام الطائفہ حضرت جنید بغدادی کا فرمان ہے:

> ''بندہ حکمت ودانش کی گرہوں میں سب سے پہلے جس چیز کو جاننے کا محتاج ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مصنوع اپنے صانع کو پہنچانے اور ''حادث'' یہ جانے کہ اسے (قدیم ذات نے) کیسے پیدا کیا؟ تب وہ خالق اور مخلوق کے درمیان نیز قدیم اور حادث کے درمیان فرق کو سمجھے گا، پھر اس کے احکام کے سامنے سر جھکائے گا اور اس کی اطاعت کے وجوب کا ادراک کرے گا، اگر وہ اپنے مالک کو نہ جان سکا تو وہ یہ نہیں جان سکے گا کہ اس نے اپنا ملک کس کے لے مقرر فرمایا ہے۔''

یہاں جنید بغدادی فرماتے ہیں: انسان کو اپنی پہچان حاصل کرنی چاہئے تا کہ وہ خالق کی پہچان حاصل کر سکے۔ تب ہی اسے اللہ اور اس کی وحدانیت کی پہچان حاصل ہو سکے گی، ان کے نزدیک معرفت یہ ہے: ''اس یکتا کو وحدانیت کے ساتھ متصف اور احدیت کے کمال کے ساتھ منفرد مانا جائے، وہ ایسا یکتا ہے کہ جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ کسی نے اسے جنا، اس کی مثل اور شبیہ کی نفی کرنا، وہ تشبیہ، تکییف، تصویر اور تمثیل سے پاک ہے، کوئی چیز اس کی مثل نہیں اور وہ خوب سننے اور جاننے والا ہے۔(۱۳)

یہ صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے، کیا آپ کو اس عقیدے میں وحدت یا حلول کا کوئی مظہر دکھائی دیتا ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف کی عمارت ہندوستانی یا ایرانی بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے اُن کے اِس بہتان کے پیچھے بدنیتی ہے جسے بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ابوالعلاء عفیفی کہتے ہیں:

> ''اسلامی تصوف کو ہندی یا ایرانی قرار دینا ایک جیسا ہی ہے، اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر رائے کے پیچھے سامی فکر کے خلاف آریائی تعصب کارفرما ہے، ان متعصب لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ سامی نسل کے لوگ فلسفہ، تصوف اور دیگر علوم وفنون کی اہلیت نہیں رکھتے، اس لئے اسلامی تصوف میں ان کے نظریات اصلی نہیں ہیں بلکہ ان آریائی معاشروں کے ساتھ لغوی، قومی اور نسلی اختلاط کا نتیجہ ہیں جن کے خلاف اسلام نے جہاد کیا۔''

مذکورہ بالا نظریے کی پہلی خامی اور کمزوری یہ ہے کہ دوسری صدی ہجری میں جب اسلامی تصوف ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت کی ایرانی تہذیب وثقافت اور نسل کو آریائی قرار دینا ایسا امر ہے جس سے تاریخ اتفاق نہیں کرتی۔ اور اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ تصوف اُس سامی دین کے خلاف آریائی فہم وفراست کا

ردعمل ہے جو ایرانیوں پر مسلط کیا گیا تھا اور یہ بھی تسلیم کرلیں کہ بڑے بڑے ایرانی مفکرین نے اسلام کو دل سے نہیں فقط صورۃً قبول کیا تھا اور اُن کے قبول اسلام کا مقصد اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنا اور اس کے احوال کو قومی اور سیاسی مقاصد کے لئے بالکل بدل دینا تھا تب بھی آریائی عنصر کی تعظیم پر مبنی نظریہ ایران کے عظیم علماء فلاسفہ اور مسلم صوفیاء کی عظمت کی نفی کرتا ہے۔

کیونکہ یہ عنصر اُن عقلی، اسلامی اور روحانی کاوشوں میں سچائی اور اخلاص کی نفی کرتا ہے جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، کون ہے جو عربی نحو کے لئے سیبویہ کے اخلاص کا انکار کرے؟ تفسیر کے لئے فخر الدین رازی کے اخلاص کا انکار کرے، شفیق بلخی، احمد بخضرویہ، یحی بن معاذ، ابوحفص نیشاپوری، ابو عثمان الحیری، ابوحامد غزالی اور دیگر سینکڑوں صوفیاء کے اخلاص کا انکار کرے؟ یہ سب فارسی نسل سے تعلق رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود ہم ان حضرات کے ہاں عربی زبان کی دشمنی میں فارسی زبان کی تائید کا رجحان نہیں پاتے، اسلامی عقائد کی دشمنی میں قدیم ایرانی عقائد کی محبت کا عنصر نہیں پاتے بلکہ اس کے برعکس ان فارسی نسل کے مسلمانوں نے اسلام کا فہم حاصل کرنے اور اسلامی عقائد کو پھیلانے کے لئے صدق دل سے کوششیں کیں۔ سچی بات یہ ہے کہ فاتحین کی زبان، ان کی ادبی تخلیقات اور ان کا دین مفتوح ایرانیوں کی زبان، اُن کے ادب اور اُن کے سابقہ دینی عقائد سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس عربی زبان اور اسلام ایرانیوں اور دیگر غیر عربی خطوں پر اثر انداز ہوا، کیونکہ ہم نے دیکھا کہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے والے غیر عرب مسلمانوں کی ایک یا دونسلوں کے بعد ایرانی علماء نے فارسی میں، شامی علماء نے یونانی میں اور مصری علماء نے قبطی زبان میں نہیں بلکہ عربی میں لکھا، اس وقت عربی زبان فقط تصنیف وتالیف ہی کی زبان نہ تھی بلکہ وعظ وتعلیم کی زبان بھی تھی۔ (۱۴)

معترضین کے اعتراضات یہیں تک نہیں رکے بلکہ بعض دوسرے لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ تصوف عمومی طور پر قدیم یونانی فلسفے سے اور افلاطون کے جدید فلسفے سے خصوصی طور پر متاثر ہوا ہے، افلاطون کا خیال ہے کہ بلند پایہ حقیقت کو عقل اور غور وفکر سے نہیں پایا جاسکتا بلکہ اسے نفس کی پستی سے اُس کی طرف ارتقاء کے ذریعے ہی پایا جاسکتا ہے جس ارتقاء میں انسان اپنی حیات اور عقل سے ماورائی چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اور یہی صوفیانہ معرفت ہے۔ اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ تصوف یونانی فلسفے سے متاثر ہے، افلاطون کا خیال ہے کہ بلند پایہ حقیقت کو عقل اور غور وفکر سے نہیں پایا جاسکتا بلکہ اسکے نفس کی پستی سے اس کی طرف عقلی ارتقاء کے ذریعے ہی پایا جاسکتا ہے، اس ارتقاء میں انسان اپنی حسیات اور

عقل سے ماوراء چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور (تصوف کے ناقدین کے خیال میں) یہی صوفیانہ معرفت ہے، اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ تصوف یونانی فلسفے سے متاثر ہے۔ یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے کیونکہ صوفیانہ معرفت اسلامی دنیا میں یونانی فلسفہ کے ظہور کے بعد وجود میں نہیں آئی اس معرفت کا ظہور نظریاتی طور پر یوں نہیں ہوا کہ کسی فلسفی نے اسے سوچا ہو پھر اسے پیش کیا ہو، ایسا نہیں بلکہ یہ ایک عملی واردات ہے جو صوفیہ کو اللہ تعالیٰ طرف سفر کے آغاز میں پیش آتی ہے، اس کے حوالے سے ابونصر سرّاج کہتے ہیں:

> ''یہ حقائق کے انکشاف کی پہلی منزل ہے اور حقوق کی حقیقت ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟'' تو حضرت حارثہ عرض گزار ہوئے: ''میں نے اپنے آپ کو دنیا سے کنارہ کش کرلیا ہے، میں نے اپنی رات کو جگایا ہے اور اپنے دن کو پیاسا رکھا ہے، گویا کہ میں اپنے ربّ کے عرش کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے کیسے مل رہے ہیں اور دوزخیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کیسے چلّا رہے ہیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: تم نے (ایمان کی حقیقت کو) جان لیا ہے پس اسے لازم پکڑنا۔ (۱۵)

تصوف کے ناقدین نے کہا: ''یونانی فلسفہ سے تصوف کے متاثر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صوفیہ اپنی تحریروں میں اپنے اذواق اور وجدانی کیفیات کو بیان کرنے کی فلسفیانہ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں، انہوں نے حقیقت، علت اور فیض جیسی اصطلاحات استعمال کیں، مگر یہ بات فکری طور پر صوفیہ کے یونانی فلسفہ سے متاثر ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کا یہ عمل ان اصطلاحات کا گہرا مفہوم حاصل کرنے کے بعد ان اصطلاحات سے استفادہ کیا اور ان اصطلاحات کے ذریعے فلسفیوں کے مقصود کو نہیں بلکہ اپنے مقصود کو واضح کیا۔

یہ بات علمی طور پر طے شدہ ہے کہ ہر دور کی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں جنہیں ان اصطلاحات کے حامی اور مخالف استعمال کرتے ہیں اور کوئی شخص ان لوگوں پر استعمال شدہ اصطلاحات کے حوالے سے اعتراض نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اصطلاحات کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ اپنے عہد کی زبان کہلاتی ہیں، کسی زمانے کے لوگوں پر کچھ حرج نہیں کہ وہ اپنے عہد کی اصطلاحات استعمال کریں، یہ بات ہمارے لئے ایک دوسری حقیقت کو بھی بے نقاب کرتی ہے کہ صوفیاء اپنے معاشروں میں رائج تمام علوم وفنون کے ساتھ زندگی گزارتے تھے تاکہ وہ اقامت دین کے لئے اس معاشرے میں قدم رکھنے کی جگہوں کو پہچان

سکیں۔ اور اپنے ناقدین ومعترضین کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے تصوف اور عقیدے کا دفاع حجت اور برہان کے ساتھ کر سکیں، یہ سارا عمل بہت زیادہ علوم وفنون اور فہم وشعور کا محتاج ہے۔ ان نظریات کا جائزہ لینے کے بعد جو تصوف کو اس کے اصل مآخذ کی بجائے دوسرے یونانی، ایرانی اور ہندوستانی فلسفوں کی طرف منسوب کرنے اور تصوف کو مسخ کر کے پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے، مشہور مستشرق اس طرف گیا ہے کہ تصوف (مذکورہ بالا) تمام عناصر کا مجموعہ ہے، گویا کہ اسلام کا واضح ترین مظہر یعنی روحانی زندگی مختلف خطوں اور اقوام کے نظریات اور فلسفوں کا مجموعہ ہے، نہ اس میں کوئی نئی چیز ہے نہ تجدید ہے، جس آدمی نے اسلام اور تصوف کا اگرچہ عجلت میں مطالعہ کیا ہے وہ جان سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا الزام ہے۔

یہ تصوف کے حوالے سے بعض ناقدین کی آراء ہیں جنہوں نے تصوف کو ان بنیادوں کی طرف لوٹانے کی کوشش کی ہے جو حقیقت میں درست نہیں، صوفیائے کرام کے تذکرہ نگاروں نے صوفیہ کے اقوال تحریر کئے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مرویات بیان کی ہیں جو صحیح تصوف کی نشاندہی کرتی ہیں نیز یہ اقوال اور مرویات مذکورہ بالا تمام نظریات کی نفی کرتی ہیں۔ ذیل میں صوفیہ کے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں جو اُن کی روحانی زندگیوں کی بنیادوں کی نشاندہی کرتے ہیں:

''حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اللہ کے محب کی علامتوں میں سرفہرست علامت اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، اعمال، احکام اور سنتوں کی اتباع ہے۔''

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تصوف تین معانی کا نام ہے: تصوف کی روشنی صوفی کے تقوی کا نور نہیں مٹاتی، تصوف کسی علم میں ایسے باطن کی بات نہیں کرتا جو کتاب وسنت کی تعلیمات سے عاری ہو اور صوفی کو کرامات کا ظہور اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی پردہ دری کا راستہ نہیں دکھاتا۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر تم کوئی ایسا شخص دیکھو جسے بہت سی کرامات عطا کی گئی ہیں یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو تم اس امر سے دھوکہ نہ کھاؤ یہاں تک کہ تم دیکھ لو کہ تم اسے نیکی کے حکم، برائی سے منع کرنے اور شریعت کو قائم کرنے میں کیسا پاتے ہو۔''

حضرت ابوسفیان دارانی نے فرمایا: ''میرے دل میں تصوف کا کوئی کیسا بھی نکتہ واضح ہو میں اِسے دو عادل گواہوں کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔''

صوفیہ کرام کے ایسے اقوال بہت زیادہ ہیں جو تصوف کے اصل مآخذ کی نشاندہی کرتے ہیں اور

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ان کے اعمال ان کے اقوال سے متصادم نہیں ہوتے،اُن کے اقوال اُن کے افعال کی سچی تصویر تھے۔

اگر ہم ابونعیم اصفہانی (متوفی ۴۳۰ھ) کی کتاب حلیۃ الاولیاء پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگوں کے لئے تصوف کا منہج یوں بیان کرتے ہیں: ''صوفیہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی اور اقتداء کی ہے،ان کے تمام افعال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی سے آراستہ ہیں۔''

گویا کہ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ صوفی کی شخصیت کا تعارف یوں کروارہے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے،دوسرے لفظوں میں وہ کہہ رہے ہیں :''یہ ہے تصوف کا مصدر اور ماخذ۔''

◆◆◆

حوالہ جات

ا۔ أضواء فی تاریخ التوحید (التصوف ال إسلامی) عبدالدائم النقلی

۲۔ سورۂ جمعۃ ۱۰/۶۲

۳۔ دیکھئے: التصوف ال إسلامی وتاریخہ،ص: ۴۳

۴۔ سورۂ یوسف ۱۰/۱۲

۵۔ سورۂ مزمل ۸/۷۳

۶۔ سورۂ توبہ ۱۱۲/۹

۷۔ سورۂ تحریم ۵/۶۶

۸۔ دیکھئے: التصوف ال إسلامی وتاریخہ،ص: ۴۴

۹۔ دیکھئے: العقیدۃ والشریعۃ ال إسلامیۃ، گولڈزیہرص: ۱۱۹

۱۰۔ سورۂ زمر ۳۸/۳۹

۱۲۔ سورۂ حج ۳۹/۲۲۔۴۰

۱۳۔ الرسالۃ القشیریۃ،ص: ۳۸۔۴۱

۱۴۔ التصوف الثورۃ الروحیۃ فی ال إسلام،ص: ۶۰ اور مابعد کے صفحات

۱۵۔ کتاب اللمع، ابونصر سراج،ص: ۳۰

•••

صوفی اِزم میں عورت کا مقام و کردار

ڈاکٹر عمرانہ شہزادی☆

Abstract:

"For centuries, it is said that Tasawwaf is an Islamic science of spirituallyity. No doubt spiritual personalities develop their closeness to Allah. تبارک وتعالیٰ They spent every moment of their lines for the will of lord by showing abstinence to earthly lust, proud and hypocrisy. Islam is incomplete with out learning Quran and Sunnah. Similarly it is incomplete with out purifing the inner Soul. A tru seeker of Allah and his Rasul's صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم love can again eternal benefits by focusing on purification of moral values. In the realm of Islamic Sufism, we find shining stars like Al-Hafi Junaid Bagdadi, Imam Hussain Bashar, Awais Qarni, Zun-Noon Misri, Bayazed Bestami, Ibrahim bin Adem, Sari-Saqti.In this arena of spiritualism, women mystics have also contributed a lot. Like men this sacred group also melted their"self" in the will of their creator. Similarly Hz Bayazid Bestami Peid homage to he speaks.

History says. women remain integratted with sufi teacher's and lit the spark of spirituality. They also composed mystic songs. This article comprises a brief analysis of women's contribution who preserved the spiritual haritage

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد

for coming generations. Genuinely in this age of industrialization, a peace ful message of Sufi ladies cannot be neglected".

Key Words:

Tasawwuf, Islam, Spiritual, Women, Arena, Contribution, Mystic, Genguinely, Sari Saqti, Neglected.

اِبتدائے آفرینش ہی سے عورت نے مرد کے ساتھ نوعِ انسانی کی تخلیق میں کلیدی کردار ادا کیا مگر مرد نے اپنی طاقت وقوت کے بل بوتے پر عورت پہ غلبہ پالیا اور اسے اس قدر درماندہ بنا دیا کہ وہ کبھی اُبھرنے کی جرأت نہ کر سکے اور اس نے بھی اپنی کمزور معاشرتی حیثیت کو تسلیم کر لیا۔ معاشرت اور تمدن کے تمام اصول وقوانین مردوں کے لیے بنائے جاتے اور عورت کو عملاً انسانیت کے دائرے سے خارج کر دیا جاتا۔ عورت بہائم واراضی کی طرح ایک جنس اور بے جان جائداد تھی۔ اقوام اور تہذیبوں کی طرح مذاہب عالم نے بھی عورتوں کو جائز عزت نہ دی۔ اسی تناظر میں اگر ہم جزیرۃ العرب کا جائزہ لیں تو وہاں بھی عورت کی حالت دگرگوں تھی ناروا اور برا سلوک اس کا نصیب تھا۔ قرآن پاک نے اسلام سے قبل عورت کے ساتھ ظالمانہ سلوک کو بطور ثبوت محفوظ کر لیا:

> ”وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌo يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ“
>
> (اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا اور وہ غصہ سے بھر جاتا، لوگوں سے چھپتا پھرتا اس برائی کی خوشخبری کے سبب جو اسے دی گئی (اب سوچتا ہے) آیا اس کو رسوائی کے ساتھ رکھے یا اس کو مٹی میں دفن کر دے۔)

قبل از اسلام عورت پر مظالم کے بارے میں کتب تفسیر واحادیث میں کئی ایک پُرسوز واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں جنہیں سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔ اُمتِ مسلمہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسلام ہی وہ یکتا واُولی مذہب ہے جس نے عورت کی آزاد حیثیت کو مانا اور اس کے حقوق کا تعین کیا۔ مذہب، معاشرت، سیاست الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے برابر قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"

(مردوں کی طرح عورتوں کے بھی پسندیدہ حقوق ہیں۔)

عورت کے لیے مال و دولت اور وراثت میں حصہ مقرر کر دیا اور عورتوں کے نیک اعمال کا بدلہ مردوں کے نیک اعمال کے برابر قرار دیا جو اسلام میں عورت کی قدر و منزلت پر دلالت کرتا ہے۔

"لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی"

(میں کسی محنت کرنے والے کی محنت ضائع نہیں کرتا تم میں سے مرد ہو یا عورت۔)

عرب کے بت پرست معاشرے میں جہاں وحشی و سنگدل قبائل اپنی نومولود بیٹیوں کو اپنے بیٹوں سے کم تر خیال کرتے ہوئے زندہ درگور کر دیتے وہاں سنت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے اس صحرائے بے صدا میں ایک نئی آواز نے عورت کے وجود کو منوانے کے لیے فرمانِ الٰہی کا شدید پرچار کیا اور عورت کے لیے عزت و وقار کو فرض قرار دیتے ہوئے غیر متوازی مروّجہ نظام کو للکارا اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے عذاب جہنم کی روح فرسا خبر سنائی۔

ہم عورتیں بہت فخر سے بہا نگ دہل کہہ سکتی ہیں کہ آنحضور ﷺ نے قرآنی تعلیمات اور انسانی حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے عورت کی عزت و عظمت اور قدر و منزلت کے دعوے ہی نہیں کیے بلکہ تدبر و سیاست بہادری و شجاعت تہذیب و تمدن غرض کہ کار ہائے زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کو مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ اسلام کی رحمت و صداقت نے جہاں وحشی اور جھگڑالو مردوں کو زہد و تقویٰ کا مجسمہ اور احسانات و خیرات کا مجموعہ بنایا وہاں عورتوں کو بھی عفت و عصمت کی جیتی جاگتی تصویر بنا دیا مردوں میں جہاں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، آئمہ کرام محدثین و مفسرین مفکرین و مجتہدین علماء و فقہا غوث و قطب قلندر و ابدال اخیار و اوتاد نقباء و نجباء پیدا ہوئے تو بعینہ اسی معاشرے میں ایسی خواتین بھی موجود رہیں جو علم و عمل شجاعت و بہادری حکمت و سیاست تصوف و زہد و تقویٰ و پرہیزگاری میں نامور تھیں اُمہات المومنین، بنات رسول ﷺ صحابیات تابعیات و صوفیات تاریخ عالم میں ہمیشہ کے لیے امر ہو گئیں۔

دینِ اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے اندر ہر زمانے میں ایسے نفوس قدسیہ موجود ہیں جو خدائے بزرگ و برتر کے ودیعت کردہ علم سے عامتہ الناس کی ارواح کو منور کرتے رہے۔ اگر ہم ماضی کے اوراق پلٹ کر دیکھیں تو ہمیں جہاں اکابرین و مدبرین کی جانفشانی جھلملاتی نظر آتی ہے۔ وہاں صوفیات

بھی عوام کی تربیت اور تزکیۂ نفس میں ان اوراق میں جلی حروف کی طرح نمایاں نظر آتی ہیں۔انہوں نے تخلیقِ انسانی میں اپنا کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تصوف کے تدریجہ مقامات میں کسی طور پر بھی کم صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کیا۔اس منصب کو نبھاتے ہوئے انہوں نے صنفِ نازک کی تخصیص کو ختم کر دیا۔ صوفی ازم میں عورت کی شراکت کی صداقت میں ذرّہ بھر بھی شائبہ نہیں مشرق میں اسلام کی بدولت عورت کو جو انسانیت کی معراج اور روحانیت میں پہچان نصیب ہوئی مغرب میں دور دور تک اس کا نام ونشان نہیں۔شروع اسلام سے لے کر آج تک صوفی ازم میں عورت کا کردار لائق تحسین ہے۔تصوف میں عورت کا مقام وکردار بیان کرنے سے پہلے ضروری خیال کرتی ہوں کہ تصوف اور ارتقائے تصوف کو چند پیرائے میں بیان کردوں اور تصوف کے ادوار میں جہاں صوفی مردوں کا ذکر کروں وہاں اُسی دور کی صوفی عورتوں کو بھی منظرِ عام پر لاؤں۔تصوف پر تحریر کردہ کتب میں عورتوں کا ذکر ان کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آتا اور نہ ہی عورتوں کے مقام ومرتبہ کو مراحل تصوف میں قلمبند کیا گیا ہے۔اس پر سیر حاصلِ بحث لکھنے کی اشد ضرورت ہے۔

تصوف کے لغوی واصطلاحی معانی کچھ اس طرح سے ہیں:

''ان التصوف کلمة اشتقت من الصفا'' کلمہ تصوف صفا سے مشتق ہے جس کا معنیٰ ''صفائی'' ہے۔''(۱)

علی بن عثمان الهجویری المعروف بہ داتا گنج بخش اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''کشف المحجوب'' میں لکھتے ہیں:

''التصوف صفاء السر من کدورة المخالفة'' باطن کو مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک کردینے کا نام تصوف ہے۔''(۲)

بعض علماء تصوف کو ''الصّف'' سے مشتق قرار دیتے ہیں۔''تصوف صف سے مشتق ہے گویا کہ صوفیہ کے قلب باری تعالیٰ کی حضوری کے اعتبار سے صفِ اوّل میں ہوتے ہیں۔(۳)

بعض علماء کے نزدیک تصوف،صفہ سے ہے۔

''شیخ ابوبکر بن اسحاق بخاری فرماتے ہیں صوفی کی وجہ تسمیہ ان کا باعتبار اوصاف اصحابِ صفہ سے قریب تر ہونا ہے۔''(۴)

صاحب المنجد کا کہنا ہے''صفو کے معنی محبت میں اخلاص کے ہیں اور صفی سے مراد مخلص

دوست ہوتا ہے۔(تحت مادۃ صفو)(۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفی وہ ہے جس نے دنیا وآخرت کے اجر وسزا سے بے نیاز ہو کر محبوبِ حقیقی اور اس کی تمام مساعی کا محرک فقط رضائے الٰہی کو بنایا ہو۔

اصطلاحی معنوں میں تصوف تزکیۂ نفس سے عبارت ہے اور اس مذہبی واردات کا نام ہے جس کے ذریعے ایمانی حقائق کے بعد ایقان حاصل ہوتا ہے۔(۶)

امام قشیری فرماتے ہیں:

''تصوف اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی نے صوف کا لباس پہنا ہو۔''(۷)

بعض مردانِ حق قرونِ اولیٰ میں اظہار تذلل مجاہدہ اور غایت عجز وانکساری کی خاطر اونی لباس پہنتے چنانچہ اس اونی لباس کے پیشِ نظر ان کو صوفی کا لقب ملا۔ ارتقائی اعتبار سے تصوف دو ادوار سے گزرا ہے۔ دور ماقبل تنقید اور دور مابعد تنقید۔ دور ماقبل تنقید کا جائزہ لیں تو اس کو چار مراحل میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان مراحل اربعہ کو شرح وبسط سے گفتگو کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

''بالجملہ چھار راہ قدم الصدق است، در ملا اعلیٰ وواجب آں است کہ کلام ھر طبقہ رابر مناسب اذواق وے حمل کنند ویکے را رابر مذاق دیگر نیارند۔''

الغرض یہ چاروں راستے ملاء اعلی میں قدر ومنزلت اور حق وصداقت کے اہل ہیں اور ضروری ہے کہ اربابِ تصوف پر بحث کرتے ہوئے ان کے اقوال واحوال کو ان کے عہد کے ذوق کی مناسبت سے جانچا جائے ایک عہد کے صوفیہ کے احوال دوسرے دور کے معیاروں پر محمول نہ کیے جائیں۔

مرحلہ اولیٰ: پہلی صدی۔ زہد وتقویٰ اور ورع کا دور۔

مرحلہ ثانی: دوسری اور تیسری صدی تبع تابعین کا دور مجاہدۂ نفس اور باطنی کیفیات کا دور۔

مرحلہ ثالثہ: چوتھی پانچویں صدی جذب ونسبت توجہ کا دور۔

مرحلہ اربعہ: پانچویں چھٹی صدی حقائق کی نظری تشکیل کا دور۔(۸)

تصوف کے ان چاروں مراحل میں ہم مرد صوفیہ کے ساتھ عورتوں کو بھی پاتے ہیں۔ صوفیانہ مدارج واحوال ومراتب کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نگاروں نے ان کے ساتھ اسی دور میں موجود صوفیات کا ذکر

نہیں کیا اور یہ مراحل صوفی عورتوں کے وجود سے خالی نہیں ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد رسالت اور عہد صحابہ و تابعین میں تصوف اپنے ارتقائی عمل کے اعتبار سے پہلے مرحلے میں تھا اس میں زہد و ورع کا رنگ غالب تھا مردان حق اور نساء حق اپنی باطنی زندگی کے جملہ مراتب و کمالات اسی طریق سے حاصل کرتے تھے اور خدا تعالیٰ سے قرب وحضوری کی نسبت اسی طرح متحقق ہوتی ان سے بھی مستی و بےخودی اور خوارق کمالات کا ظہور ہوتا تھا مگر بہت کم صحابہ اکرام میں سے اصحابِ صفہ اور تابعین میں سے امام حسن بصری، اویس قرنی، امام زین العابدین، سعید بن مسیب، طاؤس یمانی، داؤد بن دینار، سلیمان تیمی، عامر بن عبداللہ تیمی اور محمد بن منکدر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مرحلہ اولیٰ میں ہم تابعات میں سے بہت سی نامور صوفیات پاتے ہیں۔ مضمون کہیں طویل نہ ہو جائے اس بنا پر مرحلہ اولیٰ کی چند صوفیات کا ذکر کروں گی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی شاگرد رشید حضرت معاذہ بنت عبداللہ کا شمار جلیل القدر تابعات اور عظیم المرتبت صوفیات میں ہوتا ہے۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھیں۔ ان کا دھیان ہر وقت عبادت کی طرف لگا رہتا رات دن میں کئی سو نوافل سنن و فرائض کے علاوہ پڑھتیں۔ صبح ہوتی تو خیال کرتیں کہ بس آخری دن کی مہلت ہے اور آج ہی مجھ پر موت واقع ہو جائے گی جب رات ہوتی تو خیال کرتیں کہ یہ زندگی کی آخری رات ہے جس قدر ہو سکے ذکر خدا کر لوں۔ اسی طرح عبادت میں دن رات مشغول رہتیں اور نفس کو مخاطب کر کے کہتیں:

''نیند تیرے سامنے ہے قبر میں خوب سونے کا موقع ملے گا۔''

ایک دفعہ بیمار ہوئیں تو طبیب نے نبیذ تجویز کی پینے کے لیے جب پیالہ ہاتھ میں پکڑا تو دعا کی:

''خداوند تو جانتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبیذ پینے سے منع فرمایا ہے۔''

خدا کی قدرت پیالہ ہاتھ سے گرا اور وہ صحت یاب ہو گئیں۔ حضرت معاذہؒ نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ حضرت علیؓ حضرت ام عمروؓ سے بھی روایت کیا ہے اور ان سے ابو عاصمؒ، ابوقلابہ، قتادہ، یزید الرشک اور حسن بصری کی والدہ نے روایت کیا حضرت یحییٰ بن حصین نے انہیں ثقہ اور حجّہ کہا ہے۔ ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے۔ جعفر بن کیسان سے روایت ہے کہ میں نے معاذہ کو پیروں کے بل بیٹھے دیکھا انہوں نے دونوں ٹانگوں اور پیٹھ پر کپڑا لپیٹ رکھا تھا اور ان کے چاروں طرف عورتیں تھیں۔ (۹)

پہلی صدی کے اولیاء اللہ کے ساتھ ایک صوفی عورت بی بی ملیکہ بنت منکدر کا نام بھی آتا ہے ان کے احوال خود ابو یحییٰ مالک بن دینار البصری نے بیان کیے ہیں جو بہت بڑے سردار اور مشہور ولی تھے کہتے ہیں کہ ایک دن ہم خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو حجر اسود کے پاس کھڑی رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی:

''اے میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما! اے اللہ مجھ پر رحم فرما میں تیرے گھر بہت دور سے حاضر ہوئی ہوں تو مجھے اس دنیا میں کسی کا محتاج نہ بنا۔''

مالک بن دینار اس خاتون کی الحاح وزاری سے متاثر ہوئے اور اس کی قیام گاہ کا پتہ دریافت کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے کچھ دیر گفتگو فرمائی تو اس ولیہ نے کہا:

''اب آپ تشریف لے جائیں اتنی دیر آپ نے مجھے اپنے ساتھ گفتگو میں مصروف رکھا اور یوں مجھے اپنے رب کی عبادت سے محروم رکھا۔''(١٠)

اسی صدی میں ایک اور ولیہ صوفیہ ہیں جن کا نام غُفَیْرَہ عابدہ ہے انہوں نے حضرت عائشہ کی شاگردہ معاذہ عدویہ سے کسب فیض کیا۔ علم وعرفان کی بدولت اپنے دور کی عارفات کاملہ میں شمار ہوئیں۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتیں۔ خوف خدا سے اس قدر روتیں کہ آخری عمر میں نابینا ہوگئیں۔ روح بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے غُفَیْرَہ عابدہ سے پوچھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ رات کو نہیں سوتیں یہ سن کر وہ رونے لگیں اور فرمایا:

''میں خود چاہتی ہوں کہ کچھ سولوں لیکن میں کیسے سو سکتی ہوں جبکہ انسان کے دونوں محافظ فرشتے دن اور رات کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتے۔''

ایک دفعہ کچھ عابدان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔ بی بی غفیرہؒ نے فرمایا:

''بھائیو! اگر گنہ گاروں کی زبانیں خدا بند کر دیتا تو یہ بڑھیا گونگی ہوجاتی مگر دعا مانگنا سنت ہے۔ اللہ جنت کے ہیروں سے تمہاری مہمانی فرمائے میرے اور تمہارے دلوں میں اپنے کرم سے موت کی یاد ڈال دے اور مرتے دم تک ایمان سلامت رہے۔''(١١)

حضرت حفص بن عمر الجعفی فرماتے ہیں کہ خنساء بنت خدام یمن کی رہنے والی تھیں بڑی پاکباز، عبادت گزار خدا ترس خاتون تھیں چالیس سال مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے ہڈی اور چمڑہ ایک ہوگیا۔ یادِ الٰہی میں اس قدر روتیں کہ بینائی جاتی رہی۔ امام طاؤس بن کیسان امام وہب بن کیسان بھی ان کی بڑی تعظیم کرتے۔(١٢)

ماقبل تنقید کے دور کے چار مراحل میں سے پہلا مرحلہ جو پہلی صدی کو محیط ہے اور اس میں تصوف کا خاص وصف زہد وتقویٰ اور ورع ہے۔ مذکورہ تمام صفات اس صدی میں موجود صوفی خواتین میں موجود ہیں۔ جو مثالوں سے واضع کر دی گئیں ہیں۔ ارتقا تصوف کی اوّلین کڑی میں خواتین کا کردار ومقام ان کی حالاتِ زندگی سے واضع ہو جاتا ہے اور اس دور کے صوفی مردوں کا ان سے ملاقات کرنا اور ان کی عبادت زہد وتقویٰ خدا خوفی کا ذکر کرنا تصوف میں ان کے کردار کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔

ارتقائے تصوف کا دوسرا مرحلہ دوسری اور تیسری صدی پر مشتمل ہے اس مرحلہ میں تصوف باطنی کیفیات اور مجاہدۂ نفس کے خصائص لیے ہوئے ہے یہ تبع تابعین کا دور ہے۔ اس دور میں اخلاص فی العمل کا زوال شروع ہوا اور محض فقہیت کی جانب میلان کی بنا پر شریعت کی جگہ تشریح نے لے لی تو اہلِ حق نے اخلاص فی العمل کی خاطر مجاہدۂ نفس کی طرف رجوع کیا۔ مجاہدۂ نفس کی وجہ سے انہیں انس و وحشت مستی و بے خودی کشف واشراف اور خوارق کرامات کی صورت باطنی کیفیات حاصل ہوئیں۔ اس مرحلہ تصوف میں جہاں ہم حبیب عجمیؒ، مالک بن دینار، فضیل بن عیاضؒ، عبداللہ بن مبارک، ابراہیم بن ادھم، بشر الحافی، شیبان الراعی ذوالنون مصری، حارث الحاسبی، بایزید بسطامی، سری سقطی، جنید بغدادی اور سہل بن عبداللہ تستری کا احوال جانتے ہیں۔ وہاں رابعہ بصریہؒ، بی بی رابعہ شامیہؒ، بی بی کردیہؒ، بی بی فاطمہؒ نیشاپوری، بی بی اُمِ طلقؒ، بی بی علیہ بنت حسانؒ، نفیسہ بنت حسنؒ، بی بی شعوانہؒ، بی بی مریم بصریہؒ بھی موجود ہیں۔ ہم انہیں تصوف کے مرحلہ ثانیہ کے اوصاف سے متصف پاتے ہیں۔

رابعہ بصریہؒ وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے واضع طور پر اپنا تعلق خدا کے ساتھ محب اور محبوب کی حیثیت سے بیان کیا انہوں نے سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کرتے ہوئے بہت سی مشکلات کو سہا بصرہ میں ان کے زہد وتقویٰ اور علم ومعرفت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق کسبِ فیض کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ بڑے بڑے زہاد صفاء اور مشائخ طریقت ان میں شامل تھے۔ امام سفیان ثوریؒ، مالک بن دینارؒ، شفیق البلخیؒ، حضرت رباح القیسی کے نام صراحت سے لیے جاتے ہیں۔ [١٣]

بی بی رابعہ شامیہ شیخ احمد بن ابی الحوری کی اہلیہ تھیں نہایت پرہیزگار، عابدہ وزاہدہ تھیں ان پر ہمیشہ محبت وانس اور خوف کی کیفیت طاری رہتی فی البدیہہ عارفانہ شعر کہتیں کشف وکرامات کے بے شمار واقعات ان سے منسوب ہیں:

بی بی شعوانہؒ دوسری صدی کی نہایت عابدہ وزاہدہ پاکباز، خدا رسیدہ خاتون تھیں ان کے مواعظ و خطبات نہایت مؤثر ہوتے اور بڑے بڑے زہاد ان کی مجلس میں حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ فضیل بن عیاض ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی۔(۱۴) بی بی کردیہؒ عبادت و ریاضت میں خاص انہماک سے رہتی تھیں۔ شعوانہؒ کی خدمت گزار تھیں۔ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک رات شعوانہ کے ساتھ گزاری میں سوگئی۔ انہوں نے مجھے جگایا اور کہا! اٹھواے کردیہ! یہ سونے کا گھر نہیں ہے بے شک سونا تو قبروں میں ہی ہے۔ بی بی فاطمہؒ نیشاپوری معرفتِ الٰہی میں کمال درجہ رکھتی تھیں۔ حضرت بایزید بسطامی اور ذوالنون مصری جیسے بزرگوں نے ان کے فضائل و کمالات کا اعتراف کیا ہے۔ طویل مدت تک بیت اللہ شریف میں مقیم رہیں قیام کے دوران خانہ کعبہ کی خدمت کرتی ہیں۔ بڑے بڑے علماء واولیاء نے ان سے کسبِ فیض کیا۔ قرآن پاک کی تفسیر اس طرح کرتیں کہ لوگ عش عش کر اٹھتے سادہ لباس وخوراک ان کا طریقِ زندگی تھا۔ عقیدت مندوں سے آنے والے تحائف غریبوں مسکینوں میں تقسیم کر دیتیں۔ حضرت بایزید بسطامی کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ساری زندگی میں ایک باکمال عورت دیکھی ہے۔ وہ فاطمہ نیشاپوری ہے۔ شیخ الاکبر محی الدین ابنِ عربی نے سالہا سال ان کی خدمت کی اوران سے اکتساب کیا۔ کہتے ہیں:

> ''میں نے سالہا سال فاطمہؒ کی خدمت کی اس وقت ان کی عمر ۹۵ سال تھی۔۔۔ چہرے کی تروتازگی کی وجہ سے وہ چودہ سال کی دوشیزہ معلوم ہوتی تھی۔''

ابن عربی کہتے ہیں کہ ایک دن فاطمہ مجھ سے مخاطب ہوئیں اور کہا:

> ''میں حیران ہوں کہ لوگ خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور روتے ہیں اللہ کی قربت اور محبت تو یہ ہے کہ وہ جس حال میں رکھے اس میں خوش رہے۔ رونا کیسا کیوں بیٹا! تیرا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا آپ نے بجا فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے ذریعے کئی مؤکلات ان کے تابع تھے۔''(۱۵)

بی بی ام طلقؒ کے بارے میں محمد بن سنان الباہلیؒ فرماتے ہیں کہ اُم طلق دن رات میں چار سو نوافل پڑھتیں۔ تبع تابعین کی مقدس جماعت کے مشہور بزرگ سفیان بن عینیہ اُم طلق کے ہم عصر تھے گاہے گاہے کسبِ فیض کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ عاصم حجدری کا بیان ہے کہ ام طلق فرمایا کرتی تھیں کہ انسانی دل بادشاہ ہے اگر تم اس کی پیروی کرو اور یہی غلام ہے اگر تم اس کو قابو

میں رکھو۔

ابن رومیؒ کہتے ہیں کہ میں ام طلق کے گھر گیا ان کے گھر کی چھت بہت نیچی تھی۔ میں نے اس بابت دریافت کیا تو کہنے لگیں:

''حضرت عمر نے اپنے عاملوں کو لکھا تھا کہ اپنی عمارتیں اونچی نہ بناؤ۔ جب تم اپنی عمارتیں اونچی بنانے لگو گے تو وہ تمہارا بدترین زمانہ ہوگا۔''(۱۶)

بی بی علیہ بنت حسان دوسری صدی ہجری کے سرآمد روزگار محدث امام اسماعیل بن علیہ کی والدہ تھیں، علیہ نہایت شریف الطبع دانش مندانہ اور عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ علامہ صالح المری اور بصرہ کے دوسرے بڑے بڑے علماء وفقہاء ان کے مکاں پر آ کر ان سے علمی وفقہی مسائل میں گفتگو کرتے۔ نفیسہ بنتِ حسن نفیسہ العلم والمعرفت کے نام سے مشہور تھی حافظہ قرآن تھیں۔ حدیث اور دیگر علوم پر خاص دسترس حاصل تھی۔ اپنے شوہر کے ہمراہ مصر آ گئیں صائم الدھر اور قائم اللیل تھیں۔ خشیت الٰہی سے ہر وقت لرزاں رہتیں۔ زندگی میں ستر مرتبہ حج کیا۔ امام شافعی ان کے ہم عصر تھے اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف علمی مسائل پر گفتگو کرتے۔

بی بی ام حسانؒ دوسری صدی کی عارفات میں سے تھیں۔ زہد وعبادت میں اپنی مثال آپ تھیں۔ امام سفیان ثوریؒ ان کے ہم عصر تھے۔ ان کی باتیں سننے ان کے مکان پر جایا کرتے تھے اور کہا کرتے کہ میں نے ام حسان کے گھر ایک بوریا کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ (۱۷)

ارتقائے تصوف کا تیسرا مرحلہ چوتھی اور پانچویں صدی پر مشتمل ہے اور تصوف میں جذب اور نسبت توجہ اس مرحلہ کی خصوصیت ہے۔ اہلِ کمال میں سے عوام تو حسب سابق شرعی اوامر ونواہی پر مکتفی رہے۔ خواص نے باطنی احوال وکیفیات کو اپنا مطمعِ نظر بنالیا لیکن خواص الخواص اعمال واحوال سے گزر کر جذب تک پہنچے اور نسبت توجہ کا راستہ ان پر منکشف ہوا اور مشاہدہ حق تک انہوں نے رسائی حاصل کی اور انہیں ذات حق میں محویت واستغراق حاصل ہوا۔ اس عہد میں شیخ ابوخزار، ابوالحسن فرقانی، ابوعلی روباری، ابوالفرح، طرطوسی، ابوبکر شبلی، ابوالقاسم القشیری اور ابوعثمان المغربی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ امام غزالی اور شیخ عبدالقادر الجیلانی اس دور کے آخر میں آئے لیکن ان کی حیثیت کاروان صوفیاء کے رہبر ورہنما کی تھی۔

ارتقائے تصوف کے اس مرحلہ میں اس کی مذکورہ خصوصیات کی حامل صوفی خواتین میں سے آمنہ رملیہ ہیں جن کا شمار جلیل القدر عارفات وعالمات میں ہوتا ہے۔ امام مالک اور امام شافعی سے علم حدیث

اور علم فقہ کی تحصیل کی۔ بغداد آ گئیں ایک درویش کامل کی توجہ سے ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔ تمام مال واسباب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالا ہر وقت عبادتِ الٰہی اور گریہ زاری میں مشغول رہتیں۔ سات پیادہ پا حج کیے زہد وتقویٰ عبادت وریاضت کی بنا پر لوگ ان کو خاصان خدا میں شمار کرتے۔ ان کے اعلیٰ مرتبہ کی بدولت بشر الحافی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے۔ امام احمد بن حنبل ان کی عظمت وجلالت کے معترف تھے۔ کوئی رقم یا چیز ان کی خدمت میں پیش کی جاتی تو وہ منادی کرا دیتیں تذکرہ نگاروں نے ان کی کرامات بیان کی ہیں۔ باکمال صوفی خاتون بی بی تحفہؒ، امام سری سقطیؒ کی ہم عصر تھیں کثرت عبادت کی بدولت معرفتِ الٰہی انہیں حاصل ہوگئی۔ بی بی اُمۃ الجلیلؒ پاکباز عورت تھیں۔ ارباب سلوک میں ''ولایت'' کے معنی پر بحث چھڑ گئی قرار پایا کہ امۃ الجلیلؒ سے پوچھا جائے جب مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا:

> ''ولی وہ ہے جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہے اور زخارف دنیا میں مطلق دل نہ لگائے بلکہ کسی وقت بھی اس کی توجہ ماسوا کی طرف نہ جائے۔''(۱۸)

بی بی بنت کعبؒ شیخ ابوسعید خزاز کی ہم عصر تھیں اور اولیاء اللہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بی بی اُمِ علی بھی تیسری صدی کی بڑی عارفہ تھیں مشہور ولی اللہ شیخ احمد خضرویہ کی حرم محترم تھیں والدین کی طرف پائی جانے والی دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالی۔ بایزید بسطامی اور شیخ ابوحفص کی ہم عصر تھیں۔ دونوں بزرگوں سے کسب فیض کیا۔ بایزید بسطامی فرمایا کرتے تھے:

> ''جو شخص تصوف کے میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ ام علیؒ جیسی کیفیت و ہمت پیدا کرے۔''

شیخ ابوحفص کہتے ہیں:

> ''اُمِ علیؒ زوجہ احمد خضرویہ کی باتوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی معرفت سے جسے چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔''

بی بی میمونہؒ چوتھی صدی ہجری کی یگانہ روزگار عالمات وعارفات میں شمار ہوتی ہیں۔ ان کے مواعظ سے سخت سے سخت دل موم ہو جاتے علوم ظاہر پر تبحر رکھتیں اور رموزِ معرفت سے بھی باخبر تھیں۔ ان کی بہت سی کرامات مشہور ہوئیں۔ ان کے مواعظ کی تاثیر سے ہزاروں گم گشتگاں راہ کو ہدایت نصیب ہوئی۔

بی بی بیبک شہر مرو کی مشہور عارفہ تھیں۔ ارتقائے تصوف کا چوتھا مرحلہ چھٹی اور ساتویں صدی کو محیط ہے یہ دور حقائق کی نظری تشکیل کا دور ہے۔ اس دور کے صوفیاء نے باطنی واردات کے ذریعہ حاصل شدہ تصور حقیقت کی نظری تشکیل کی ظہور وجود کے مدارج وتنزلات پر گفتگو کی اور نظریہ وحدت الوجود اس دور میں دلائل نظری کی بنیاد پر مرتب صورت میں نظر آیا۔

ابن عربیؒ، ابن الفارض نے اپنی تصنیفات میں علم وحکمت کی زبان میں اس تصور کو بیان کیا۔ شیخ عطار، عارف رومی اور مولانا جامی نے دلکش شعر لکھے۔ اس طرح معارف تصوف خواص سے عوام تک پہنچے اور ہر شخص تصوف کا کلمہ پڑھنے لگا۔ اس صدی کی صوفیات میں محمد بن علی عبداللہ کی صاحبزادی بی بی اُم محمدؒ کا نام آتا ہے۔ نامور صوفی ابن سمعون کی شاگرد تھیں۔ عبادتِ الٰہی سے خاص شغف تھا۔ بکثرت ریاضات اور مجاہدات کی وجہ سے اولیاء اللہ میں شمار ہوئیں۔ (۱۹)

پیر پیراں شیخ عبدالقادر جیلانی کی پھوپھی سیدہ خدیجہ جیلانی نہایت عبادت گزار اور پرہیزگار خاتون تھیں علم وعرفان سے مالا مال اور مستجاب الدعوات تھیں۔ مشکل وقت میں لوگ ان کے پاس حاضر ہوکر دعا کروایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جیلان میں قحط پڑا دعائیں مانگنے اور نماز استسقاء کے باوجود بارش نہ ہوئی سب مل کر خدیجہؒ کے پاس گئے انہوں نے دعا کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ہوگیا۔

تصوف ماقبل تنقید کے چاروں مراحل کا ذکر ان میں موجود صوفیات کے مقام وکردار کے ساتھ واضح کرنے کے بعد اب ہم تصوف مابعد تنقید کے دور کا جائزہ لیں گے۔ اس دور میں تصوف کی نظری تشکیلات کا اثر معاشرے میں سرایت کر گیا اور جاہل عوام نے ناقص فہم کی بنا پر کشف کو حتمی فیصلہ اور یقینی ذریعہ سمجھ لیا اور بربنائے جہالت شریعت وطریقت کو متضاد ومنافی خیال کیا اور اس آزادخیالی اور آزادروی کی طرف میلان کی وجہ سے تنقید کا آغاز ہوا۔ دور تنقید میں تصوف کی خدمت اور حدود حجت کا تعین اور برصغیر میں ترویج واشاعت کا سہرا مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سر ہے انہوں نے جاہل عوام کے ذہنوں سے شبہات فاسدہ نکالے اور شریعت و طریقت کو یکجا کیا اور عوام کے دلوں میں یہ بات جاگزیں کی کہ صوفیانہ مذہبی واردات حق میں ان کا انکار محال ہے اور ادراک حقیقت صاحب ولایت کے مدارج کے باعث مختلف ہوتی ہے۔ تصوف مابعد تنقید

کے دور میں ہم بی بی من میل کو پاتے ہیں۔ جوخواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ اعظم قطب الدین بختیار کاکی کی دایہ تھیں اورخواجہ صاحب کی رضاعی والدہ خواجہ صاحب کے پڑوس میں بستی تھیں۔ نیک سیرت خدارسیدہ عبادت وریاضت میں زیادہ وقت گزارتیں۔خواجہ بختیار کاکی نے انہیں خرقہ خلافت دیا اور دہلی کی مستورات کے لیے مامور کیا۔

تونس کی پاکباز زاہدہ جوالسیدہ کے لقب سے مشہور ہوئیں ان کا اصل نام بی بی عائشہ المنوبیّہ تھا۔ صغرسنی میں ہی ان میں چند کرامات کا ظہور ہوا لوگوں کو ان سے عقیدت ہوگئی۔انہوں نے تصوف کی تعلیم شیخ ابوالحسن شاذلی سے حاصل کی۔

بی بی حافظہ جمال خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری کی دختر نیک اختر تھیں۔نہایت پارسا دائم الصوم قائم اللیل تھیں۔اپنے والد کی مرید تھیں والد صاحب نے انہیں خرقہ خلافت عطا کیا اور خواتین کی اصلاح وہدایت پر توجہ دینے کی ہدایت کی۔ان کی ہدایت سے بہت سی عورتوں نے اللہ سے لو لگائی اور وہ عارفہ ہوگئیں۔

بی بی صائم فاطمہ شیخ فریدالدین گنج شکر کی دینی بہن تھیں۔نہایت زاہدہ عابدہ تھیں اور کثرت صائم کی وجہ سے صائمہ مشہور ہوئیں۔بابافریدالدین فرمایا کرتے تھے ''اگر عورت خلافت کے اہل ہوتی تو میں فاطمہ صائمہ کو اپنی خلافت دے دیتا۔'' انہوں نے سوت کات کر خواجہ بختیار کاکی کے مزار کا غلاف بنایا اور ابھی بھی بقرعید کو خواجہ صاحب کے مزار پر چڑھایا جاتا ہے۔

بی بی قرسم خاتونؒ فریدالدین گنج شکر کی والدہ محترمہ تھیں۔عابدہ زاہدہ مستجاب الدعوات تھیں۔ کثرت عبادت کی وجہ سے ان کو درجہ ولایت حاصل ہوگیا۔

بابافریدالدین گنج شکر کی ہم عصر بی بی فاطمہ سام بہت عابدہ زاہدہ اور مخیر خاتون تھیں۔ بابا فریدالدین گنج شکر مسعود فرمایا کرتے تھے:

''فاطمہ سام گوعورت ہے مگر دومرد ولیوں کے برابر ہے۔''

خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا'' کہ میں نے فاطمہ سام کو دیکھا نہایت پاک دامن ضعیف العمر خاتون تھیں۔'' شیخ عبدالحق محدث الدہلوی نے اخبارالاخیار میں لکھا ہے:

''فاطمہ سام اپنے زمانے کی صالحات قانتات اور عارفات میں سے تھیں۔''

بی بی سارہؒ خواجہ بختیار کاکی کی منہ بولی بہن شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی والدہ تھیں وہ نہ صرف عارفہ تھیں بلکہ عالم فاضل علم فقہ میں درجہ تبحر رکھتی تھیں۔

ہند بی بی فضہؒ عارفہ اندلس تھیں۔آٹھویں صدی میں ہم ان کی کرامات کا چرچا پاتے ہیں۔بی بی تگنی مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے فرزند مخدوم سید ناصر الدین محمود کی اہلیہ تھیں۔بڑی عبادت گزار تھیں ان سے بہت سی کرامات منسوب ہیں۔اوچ شریف میں ان کی قبر ایک حجرے میں محفوظ ہے اور اس میں صرف عورتیں داخل ہوتی ہیں۔

نویں صدی ہجری میں ایک مشہور عارفہ گزری ہیں ان کے روحانی کمالات اس قدر تھے کہ دور دور سے لوگ ان کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے اور ان سے دعا کے خواستگار ہوتے۔شاہی خاندان کی خواتین حصول برکت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور ان کا جھوٹا پینا اپنے لیے فخر سمجھتیں اور سعادت خیال کرتیں۔

اس صدی کی ایک عارفہ ولیہ بی بی بلقیس بنتِ محمد ہیں۔وہ محمد بدر الدین بلقینی بن سراج کی بیٹی تھیں۔علم و دانش زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھیں۔حافظ ابن حجر العسقلانی ان کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''یہ مقدس بی بی مشائخ طریقت میں شمار کی جاتی ہیں عمر کے آخری سال یکسر عبادتِ الٰہی میں گزارے یہ عرصہ راہِ سلوک وایقان اور طریق کے مقامات طے کرنے کے لیے سخت زہد و ریاضت میں گزارا''

دسویں صدی میں بی بی فاطمہؒ بنت عبدالقادر جو مخدوم میراں محمد شاہ موج دریا بخاری کی اہلیہ تھیں اور یہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے تھیں۔نہایت عبادت گزار اور متقی خاتون تھیں۔ان کا شمار عارفات میں ہوتا ہے۔بہت سی کرامات ان سے منسوب تھیں۔لیک روڈ لاہور پر ان کی قبر اب بھی موجود ہے۔

گیارھویں صدی ہجری میں بی بی جمال خاتون جو حضرت میاں میر لاہوری کی بہن تھیں۔زہد و عبادت میں یکتا روزگار تھیں۔اللہ تعالیٰ سے ایسی لو لگائی کہ جو دعا کرتیں قبول ہو جاتیں۔تذکرہ نگاروں نے انہیں مستجاب الدعوات لکھا ہے۔ان کی بہت سی کرامات بیان کی جاتی ہیں۔ایک مرتبہ بی بی جمال خاتون نے دو من گیہوں ایک برتن میں بھر لیے اللہ تعالیٰ نے برکت ڈالی اور وہ ایک سال ان کو روزانہ فقراء و مساکین

میں تقسیم کرتیں۔

انیسویں صدی میں ہم ایک ولیہ صوفیہ بی بی حیاتی کرمانی کا ذکر پاتے ہیں ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں انہوں نے صوفیانہ شاعری میں اپنا دیوان تخلیق کیا جوان کی ظاہری و باطنی صوفیانہ کیفیات کے بارے میں خیالات کا احاطہ کرتا ہے۔(۲۰)

موجودہ دور کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی عورتوں نے مناجاتِ الٰہیہ کے نام سے روحانی گیت کمپوز کروائے۔ ۱۹۸۷ء میں ترکی سے گلدستہ کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی۔ جس میں مردوں اور عورتوں کے روحانی اشعار کو یکجا کیا گیا۔ ترکی میں عورتیں بھی مردوں کی طرح روحانی تعلیمات میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں اور اپنے روحانی تجربات تحریر میں لا کر دوسروں کے ساتھ Share کرتی ہیں۔ سوڈان میں ایسی عورتیں موجود ہیں جو روحانی تربیت کرتی ہیں۔ مڈل ایسٹ میں صوفی ازم کو عورتوں نے معتبر طریقے سے نبھایا اور تصوف سنٹر مڈل ایسٹ سے یورپ تک پھیل گئے اور اس میں نئے رجحانات سامنے آئے۔ امریکہ میں صوفی ازم کا ایک مشہور و معروف مرکز قائم ہو گیا ہے اور روز بروز مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کے اس مرکز کو حضرت عنایت خان نے روشناس کروایا۔ اس مرکز کے تحت بہت سی صوفی خواتین روحانی تعلیمات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور عورتوں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے کہ وہ Sema میں حصہ لیں۔ (Sema مولویز عورتوں پر مشتمل موسیقی کی تقریب ہے) مولویز خواتین کی سربراہ فخر النساء تھیں وہ اپنے دور میں رابی کے لقب سے مشہور تھیں۔ حالیہ سالوں میں ان کا مزار بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔(۲۱)

اس مختصر بحث سے واضح ہوتا ہے کہ دین حنیف اور پرچم حق کی سربلندی کے لیے خواتین نے مردوں کے ہمراہ ہر میدان میں قربانیاں دیں قدسی صفات کی حامل ان عورتوں نے رضائے الٰہی کے لیے اپنے ماں باپ گھر بار، اہل وعیال سے جدائی اختیار کی۔ قبیلے اور وطن عزیز کو خیر باد کہا گھر بار لٹانے اور فاقہ سہنے ہر قسم کی جسمانی اذیت برداشت کرنے میں مردوں سے پیچھے نہ رہیں ان کا شمار بھی اہلِ اسلام کے محسنین میں ہوتا ہے۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ عورت نے مرد کے ساتھ اسلام کی شمع روشن کرنے میں برابر کردار ادا کیا۔ کچھ وجوہات کی بنا پر راہ تصوف میں عورتوں کی سرگرمیوں مردوں کی نسبت کم احاطہ کار میں لائی گئیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت نے اس علم کی تاریخ سازی میں کوئی کردار ادا نہیں کیا۔ مقام

تصوف میں عورت مرد کے برابر نظر آتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ عورتیں اپنے ایک مخصوص حلقے میں رہیں۔ بیشتر صوفیات نے معاشرے پر جلی اثرات چھوڑے گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے روحانیت میں اپنا سفر جاری رکھا عورتوں نے اپنی زندگی کے حالات مردوں کی طرف قلمبند نہیں کیے۔ بلکہ وہ اپنے جذبات وخیالات اور روحانیت کو اشعار کے ذریعے بیان کر دیتیں۔ الغرض صوفی خواتین ہر دور میں موجود رہیں اور اپنی تعلیمات سے روحانیت کی شمع روشن کیے رکھی۔

◆◆◆

حوالہ جات

۱۔ الافریقی،محمد بن مکرم،ابن منظور،لسان العرب،مادۃ صفو،نشر ادب الحوزۃ،قم ایران ۱۴۰۵ھ،۱۵۰/۶۰،۱۵۱

۲۔ الہجویری،علی بن عثمان، کشف المحجوب، مترجم: ابوالحسنات سید احمد قادری مرکز معارف اولیاء دربار حضرت داتا گنج بخش محکمہ اوقات و مذہبی امور پنجاب،ص ۱۱۷

۳۔ القشیری، ابوالقاسم، الرسالۃ القشیریۃ فی علم التصوف، تحقیق: الدکتور عبدالحلیم محمود، دارالکتب الحدیثۃ، القاہرہ ۱۳۸۵،ص ۲۱،باب المجتۃ

۴۔ الحسبی،احمد بن محمد،ایقاظ الھمم فی شرح الحکم،دارالکتب العلمیہ ،بیروت،جلد ا،ص ۶

۵۔ شہاب الدین،ابوعمر،المنجد،تحت مادہ صفو دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع،۲۰۰۵ء

۶۔ الغزالی،محمد بن محمد،المنقذ من الضلال،الناشر دارالکتب الحدیثۃ،مصر ۱۸۸۵ء،ص ۵۰۔۵۱

۷۔ الرسالۃ القشیریۃ،ص ۱۲۸

۸۔ القادری، طاہر، ڈاکٹر،حقیقت تصوف،منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور: مرکزی سیکریٹریٹ ایم ماڈل ٹاؤن،ص ۲۳۔۲۵

۹۔ العسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی،تہذیب التہذیب، الناشر مطبعۃ دائرۃ المعارف النطاسیۃ، الھند الطبع ۱۹۰۸ء

۱۰۔ جوزی،عبدالرحمٰن بن علی،صفۃ الصفوۃ،حققہ محمود طافوری دارالمعرفۃ بیروت، ۴/۲۷۔۳۱

۱۱۔ السلمی،ابوعبدالرحمٰن،ذکر النسوۃ المتعبدات العابدات،تحقیق:الدکتور محمود محمد الطناجی،الناشر مکتبہ الخانجی، ص ۲۹

۱۲۔ المصدر السابق،ص ۳۵

۱۳۔ ابن الجوزی،صفۃ الصفوۃ،ص ۴۵

۱۴۔ جمال الدین،عبدالرحمٰن، ابوالفرج،قراءات فی تاریخ العابدات الی اشرف الاماکن،، مطبع دارالحدیث القاہرۃ سنہ ۱۹۹۵ء،ج ا،ص ۳۵۔۵۰

۱۵۔ ذکر النسوۃ،ص ۴۹

۱۶۔ المصدر السابق،ص ۷۵

۱۷۔ المصدر السابق،ص ۸۰

۱۸۔　غلام سرور، مفتی،خزینۃ الاصفیاء (اُردو)،،ج ۲،ص ۲۶۱
۱۹۔　شارب،ظہور الحسن،ڈاکٹر،تذکرہ اولیاء پاک وہند (اُردو)،ط پاکستان
۲۰۔　قادری،داراشکوہ،شہزادہ،سفینۃ اولیاء،مترجم: محمد علی لطفی
۲۱۔　المنھان،عبدالسلام،المرأۃ المغربیۃ والتصوف فی القرن الحادی عشر،مطابع دارالکتب البیضاء،ص ۲۰

◆◆◆

تفسیرِ اِشاری کے رجحان کا ارتقائی جائزہ

حافظ محمد احسن رضا☆

Abstract:

The sources of Tassawwuf remain the topic of criticism and discussion among the Islamic and Non-Islamic critic. Even, some orientalists endeavored always to make objections and allegations on Tassawwuf and its sources. They tried to prove that Tassawwuf does not belong to Islam and its teachings. They attempted negatively to separate and disconnect the Tassawwuf from Islam. The orientalists stated that the Tassawwuf is dependent in its existence to the Christianity and other religions, but the argument and justifications of critic in this regard are baseless and reasonless. The capital sources of the Tassawwuf are the Holy Quran and Sunnah of the Holy Prophet(S.A.W)All this is proved in this article in light of verses of the Holy Quran and traditions of the Holy Prophet(S.A.W)

Key words:

Tassawwuf, Criticism, Orientalist, Allegations, Sources, Christianity, Justifications, Holy Prophet(S.A.W) Holy Quran, Traditions.

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا معجزانہ کلام ہے اس کی زبان عربی مبین ہے۔اللہ تعالیٰ کے آخری رسول

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر،شعبہ علوم اسلامیہ وعربی،گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،فیصل آباد

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر تقریباً ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوا۔ قرآن مجید کی تفہیم کے لیے اللہ تعالیٰ کے آخری رسول کی ضرورت تھی۔ جنہوں نے اس کا ظاہری اور باطنی مفہوم بیان فرمادیا اور سنت ثابتہ قائم کر کے عملاً بھی منشائے ایزدی کا مظاہرہ فرمادیا۔

قرآن کریم نے اپنے باطنی معانی کی طرف خود اشارہ کیا ہے:

"فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا"(۱)

(آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔)

مزید ارشاد فرمایا:

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا"(۲)

(کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا، ان کے دلوں پر قفل جڑے ہوئے ہیں۔)

مذکورہ بالا آیات مبارکہ کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ عرب جن کی مادری زبان عربی تھی وہ قرآن کا ظاہری مفہوم نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کے باطنی مفہوم کو جاننے میں کوتاہی کر رہے تھے حالانکہ مرادِ ربانی کا صحیح ادراک کرنے کے لیے ان معانی کو جاننے کی اشد ضرورت ہے۔ اسی کا نام فکر و تدبر ہے جس کی قرآن کے سلسلے میں سخت ضرورت ہے۔

سرور عالمؐ نے بتایا کہ قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ ہر حرف کی ایک حد ہے اور ایک مطلع (بلندی) ہے۔ آنحضور ﷺ نے تیمم کی غرض سے زمین پر لوٹنے پوٹنے والے کو اور روزے کی ابتدا کے لیے سفید اور کالے دھاگے پاس رکھنے والوں کو بالترتیب تیمم اور آغازِ سحر کا جو مفہوم بتایا وہ قرآن حکیم کا باطنی مفہوم ہے جو ظاہر الفاظ کے ذریعے معلوم نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جہاں جہاں ضرورت پڑتی تھی کہ آپ ﷺ ظاہری کے ساتھ ساتھ باطنی معانی بھی سمجھا دیا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی آیات ربانی کی دونوں قسم کی تعبیریں کی جاتی تھیں۔ تکمیلِ دین کی آیت کا ظاہری مفہوم باعث مسرت تھا کہ دین مکمل اور کامل کر دیا گیا لوگ اس پر بہت خوش ہوئے، مگر اسی آیت کے باطنی مفہوم میں حضرت ابوبکرؓ کو آنحضور ﷺ کی جدائی کا صدمہ محسوس ہوا اور آپ رونے لگے۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ کے باطنی مفہوم کا آپ ﷺ سے ذکر کیا گیا تو رحمۃ للعالمین نے بھی اس بات کی تصدیق فرمادی۔

اسی طرح اسلام کے جو احکام ہماری ظاہری زندگی سے متعلق ہیں وہ علم فقہ کا موضوع ہیں اور جو

احکام ہمارے باطن کی پوشیدہ دنیا سے تعلق رکھتے ہیں وہ علم تصوف میں بیان کیے جاتے ہیں۔لہٰذا علم تصوف کا موضوع ہمارے دل کی وہ دنیا ہے جو ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آتی مگر اس کا ہماری زندگی سے نہایت گہرا تعلق ہے۔

مختصراً یہ کہ دین کی دو حیثیتیں ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی۔اس باطن ہی کو تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔اسی حوالے سے ذیل میں تصوف کا مفہوم اور اس کی شرعی حیثیت صوفیانہ تفسیر کے تناظر میں اختصار کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

تصوف کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لفظ ''تصوف'' کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ دراصل کس لفظ سے ماخوذ ہے۔بعض نے کہا کہ لفظ ''تصوف'' صفا سے بنا ہے۔جس کا مطلب ہے صفائی اور اجلا ہونا جس طرح کہ الیسوعی نے لکھا:

''صَفَّی تَصْفِیَۃَ الشَّیئِ''(۳)

(کسی چیز کو عمدہ اور صاف رکھنا۔)

اسی طرح تصوف کی لغوی تعریف کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ صوف سے بنا ہے۔صوف اون کو کہا جاتا ہے۔

المورد الوسیط میں ہے:

''صوف: شعر الغنم wool, Fleece

صوفی: من الصوف''(۴)

درج بالا جتنے اقوال ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ لفظ ''صفا'' سے مشتق ہو تو پھر اہل تصوف سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو ظاہری و باطنی آلودگی سے اپنے آپ کو پاک اور صاف رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں اگر یہ ''صفو'' سے بنتا ہو تو اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ اہل تصوف مخلص دوست ہیں اور ان کی نسبت میں خلوص ہے۔

اگر یہ لفظ ''صوف'' بمعنی اون سے بنا ہو تو پھر یہ لوگ اکثر چونکہ اون کا لباس زیب تن کرتے تھے۔اس لیے انہیں اس نسبت سے صوفی کہا جانے لگا۔تو اس ضمن میں چونکہ اونی لباس ہمارے پیارے نبی ﷺ سے پہننا ثابت ہے۔تو اس حوالے سے جماعت صوفیہ نے طریقہ مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کی جیسا کہ حدیث میں ہے:

"عَن اَبی مُوسی قَال: کان رسولُ الله ﷺ یَرْکَبُ الحِمارَ وَیَلْبَسُ الصوفَ"(۵)

(حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے۔فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر سواری فرمالیا کرتے تھے اور اونی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔)

اسی طرح امام بخاری نے غزوات میں سے ایک غزوہ کے سفر کے دوران اس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کیا ہے۔

"فَغَسلَ وَجْهَهُ وَیَدَیْهِ وَعلیه جُبَّةٌ مِنْ صُوفٍ"(۶)

(پس آپ ﷺ نے اپنا چہرہ اقدس اور دونوں ہاتھ دھوئے اور آپ ﷺ نے اُونی جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا۔)

درج بالا احادیث مبارکہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیہ کا اونی لباس پہننا اور لقب صوفی سے ملقب ہونا، اس کی اصل یہ لباس مصطفیٰ ﷺ کا انداز اور طریقہ ہے۔

بہرحال یہ ایک لفظی اشتقاقی اختلاف ہے ورنہ تصوف اپنانے والوں کی حقیقت تقریباً یکساں ہے اور اس راہ کی حقیقت پر اتفاق ہے۔

تصوف کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاحاً تصوف کی تعریف اور تفسیر کے بارے میں حضرات صوفیہ کے کلمات اور اقوال مختلف نظر آتے ہیں مگر ان کا خلاصہ اور حاصل ایک ہی ہے۔

مختلف صوفیہ کے درج ذیل اقوال ہیں:

سید عبدالقادر جیلانی نے کہا:

''صوفی فُوْعِلٌ کے وزن پر ہے اور اس کو مصافات سے لیا ہے جس کے معنی اس آدمی کے ہیں جس کو اللہ نے صاف کر لیا ہو۔''(۷)

یعنی قلبی صفائی حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔ یا یوں کہہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یکسو ہو کر اور دل کی صفوری کے ساتھ کرنا اور اُس کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا تصوف ہے۔

علی بن عثمان الہجویریؒ نے لکھا:

حضرت مرتعشؒ فرماتے ہیں کہ:

"التصوف حُسنُ الخُلقِ"(۸)

(تصوف نیک خصائل کا نام ہے۔)

امام غزالیؒ نے فرمایا:

"فَهُوَ عِبارَةٌ عن تَجَرُّدِ القلبِ للهِ تعالیٰ وَ استِحْقارِ ماسِوَی اللهِ، و حاصِلُه یَرْجِعُ الی عملِ القلبِ والْجوارحِ"(۹)

(تصوف اللہ تعالیٰ کے لیے دل کو خالی کرنا اور اللہ کے ماسویٰ کو (دل میں) جگہ نہ دینے سے عبارت ہے اور اس کا حاصل دل اور (باقی) تمام اعضاء کا عمل کی طرف پلٹنا۔)

مولانا شبلی نے کہا:

"التصوف: الجلوسُ مع اللهِ بِلَاهَمٍّ"(۱۰)

الغرض تصوف کے حوالے سے لفظی اختلاف ہو یا اصطلاحی حقیقت تصوف ایک ہی ہے اور وہ قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

مذکورہ بالا سطور میں تصوف کے معنی ومفہوم پر بات ہوئی جس سے یہ بات واضح ہوئی کہ تصوف کے لفظ میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اُس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تصوف کی حقیقت میں بھی اختلاف ہے جبکہ حقیقت تصوف تو قرآن وسنت کے عین مطابق ہے اور قرآن کے ظاہری اور باطنی دونوں معانی کی حقیقت بھی سنت نبوی ﷺ اور صحابہ سے ثابت ہے۔ ذیل میں صوفیانہ تفسیری رجحان کے ارتقاء کا ذکر پیش خدمت ہے۔

عہد رسالت وصحابہ اور صوفیانہ تفسیر

صوفیہ کا موقف ہے کہ حضور ﷺ نے قرآن کریم کے الفاظ کی جہاں ظاہری تفسیر ارشاد فرمائی وہاں آپ ﷺ نے باطنی معانی کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔

سرورِ کائنات نے فرمایا کہ ہر آیت کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ یہ حضرت حسنؓ سے مرسلاً روایت ہے اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن عوف سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"قرآن عرش کے نیچے تھا اُس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن وہ لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرے گا۔"(۱۱)

کیونکہ صوفیانہ تفسیر کا آغاز نزول قرآن سے ہو گیا تھا۔ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس بات

سے اچھی طرح آگاہ تھے۔قرآن کے ظاہر اور باطن دونوں کا ان آیات میں ذکر ہے:

"فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا"

(ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔)

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ"

(بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟)

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا"

(بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔)

ان آیات میں عربی الفاظ کا ظاہری مفہوم سمجھنے کی طرف توجہ نہیں دلوائی گئی۔عربی تو ان لوگوں کی مادری زبان تھی بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ وہ مراد ربانی کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے یعنی ان لوگوں کو آیات میں غور وفکر اور تدبر سے کام لے کر باطنی مفہوم کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

صوفیانہ تفسیر کے لوازمات

صوفیانہ تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ عربی لغت سے واقفیت کے ساتھ ساتھ خداداد دانش اور بصیرت کی نعمت بھی میسر ہو اور صوفیانہ مفہوم نہ تو عربی زبان کے اصول وقواعد سے متصادم ہو اور نہ ہی کوئی ایسی نص موجود ہو۔ان شرائط پر پوری اُترنے والی تفسیر صوفیانہ تفسیر ہے اور اس کو اشاری تفسیر بھی کہتے ہیں۔(۱۲)

صوفیانہ تفسیر کی ضرورت اور اہمیت دورِ صحابہ میں

صحابہ کرامؓ جیسی پاکیزہ ہستیاں بھی تفسیر کو سمجھنے کی ضرورت محسوس کرتی تھیں اور وہ اس کی اہمیت کے بھی قائل تھے۔جب "اذا جآء نصر اللہ" نازل ہوئی تو اس کے بارے میں اکثر صحابہ کرام کی رائے یہ تھی کہ اس میں ہمیں حمد واستغفار کا حکم دیا گیا ہے۔یہ بات ظاہری مفہوم کے اعتبار سے بالکل صحیح تھی مگر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عمرؓ اس سے آنحضور ﷺ کی اجل طبعی کے قریب آجانے کی خبر سمجھتے تھے یہ اس آیت کا حقیقی مفہوم تھا۔(۱۳)

اسی طرح سورۃ المائدہ کی آیت "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ" نازل ہوئی تو اکثر صحابہ بہت خوش ہوئے۔مگر محدث ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ رونے لگے۔نبی کریم ﷺ نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ جب دین کامل ہو گیا تو اس کی تکمیل کے بعد اب تنزل کا آغاز ہوگا۔(اور وہ نبی کریم ﷺ کی وفات ہے۔)

اس پر سرورِ کائنات نے فرمایا:

> ''تم سچ کہتے ہو'' معلوم ہوا کہ عام صحابہ نے دین کی تکمیل کو ظاہری معنوں پر محمول کیا تھا۔ اس لیے خوشی منائی تھی مگر عمرؓ کو اس آیت کے باطن سے اپنے پیارے رسول ﷺ کی فرقت کی بو آنے لگی اور یہ اس آیت کا اشاری مفہوم تھا۔ رازی نے عمرؓ کی بجائے حضرت ابوبکرؓ کا نام لیا ہے اور اس بات کو آپ کے علمی کمال کے طور پر بیان کیا ہے۔''(۱۴)

دور صحابہ کے بعد صوفیانہ تفسیر کا مفہوم

صوفیانہ تفسیر سے مراد ہے اصحاب تصوف کا حاصل شدہ پوشیدہ اشارات کی مدد سے قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرنا جو اُس کے ظاہری مفہوم کے خلاف تو ہو مگر اس کے ظاہری اور باطنی مفہوم میں جمع اور تطبیق ممکن ہو۔ (۱۵)

تفسیر اشاری کا آغاز:

> ''کشف الظنون کے مطابق جس شخص نے سب سے پہلے صوفی کا لقب اختیار کیا وہ ابوہاشم صوفی متوفی ۱۵۰ھ تھا۔''(۱۶)

گویا دوسری صدی ہجری میں صوفیانہ نظریات پیدا ہوئے۔ ان پر سرور ایام سے فلاسفہ، متکلمین اور فقہا نے اثر ڈالا اور ہر سہ کے اثرات سے ان نظریات میں تغیر رونما ہوا اور اشاری تفسیر مختلف مراحل سے گزری علامہ ذھبی کے بہ قول صوفیانہ تفسیر کی ارتقا کی منازل کچھ اس طرح بن گئیں:

۱۔ ظاہری پر اشاری کے تفوق کا دور

۲۔ خالص اشاری دور

۳۔ اشاری اور نظری کے امتزاج کا دور

۴۔ خالص نظری دور

۵۔ اشاری پر ظاہری کے غلبے کا دور (۱۷)

صوفیانہ تفسیر کی ارتقائی منازل

ظاہری پر اشاری کے تفوق کا دور اس دور کے مشہور مفسر سہل تستری ہیں۔ آپ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے جو کہ اپنے وقت کے بہت بڑے اللہ والے تھے۔

علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ آپ:

"ھو جَمَعَ بین الشریعۃِ و الحقیقۃِ"(۱۸)

ذیل میں آپ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

تعارف:

آپ کا نام سہل بن عبداللہ کنیت ابو محمد اور نسبت تستری ہے۔ آپ تستر کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ عظیم عارف تھے۔ زہد و تقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ صاحب کرامت تھے۔ آپ مکہ میں مشہور عارف باللہ ذوالنون مصری سے بھی ملے تھے۔ کافی عرصہ تک بصرہ میں قیام رہا۔ ۲۷۳ یا ۲۸۳ میں وفات پائی۔(۱۹)

آپ کا قول ہے کہ ہر آیت قرآنی کے چار معنی ہیں:

(i) ظاہری (ii) باطنی (iii) حد (اخلاقی) (iv) مطلع (عارفانہ)

جفر کے مطابق آپ کا نقطہ نظر امامیہ کے مطابق ہے۔(۲۰)

آپ کی تفسیر کا نام "تفسیر القرآن العظیم" ہے، ایک جلد پر مشتمل ہے۔ صرف چیدہ چیدہ آیات کی شرح اور توضیح ہے۔

تفسیر القرآن العظیم کا مقام و انداز

مولف کے مطابق امت محمدی میں کوئی ولی ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن نہ سکھایا ہو۔ خواہ وہ ظاہر ہو یا باطن اور باطن سے مراد قرآن کریم کا فہم و ادراک مقصود ہے۔

آپ کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ظاہری معانی اور باطنی معانی دونوں بیان کر دیتا ہے۔ بلکہ بعض جگہوں پر صرف ظاہری معنی بیان کیے جاتے ہیں اور کہیں کہیں اشاری تفسیر کرتے ہیں۔ گویا یہ خوبصورت امتزاج ہے۔

ایک واضح حقیقت یہ بھی ہے کہ سہلؒ جہاں خالص اشاری مفہوم بیان فرماتے ہیں وہ اکثر سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے۔ جیسے "آلم" کی تفسیر کہ الف سے اللہ، لام سے جبرئیل اور میم سے محمد ﷺ مراد ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی، جبرئیل اور محمد ﷺ کی قسم کھائی ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"

(سونہ ٹھہراؤ اللہ کے برابر کوئی اور تم جانتے ہو۔)

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ انداد کے معنی ہیں "ضد اور مخالف"۔

نفس امارہ سب سے بڑا مخالف ہے جو ہدایات خداوندی کے برعکس لوگوں کو خواہشات نفس کی پیروی کی تلقین کرتا ہے آپ کے نزدیک انداد کا مفہوم وسیع ہے جس کی وجہ سے وہ "نفس امارہ" کو بھی انداد میں شامل کرتے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یہ آیت ان معنوں میں نازل نہیں ہوئی مگر جو معانی انھوں نے مراد لیے ہیں وہ مقصد نزول سے ملتے جلتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات آیت کے تفسیر کے طور پر نہیں بلکہ "ند" کے لغوی معانی شریک اور مخالف پر قیاس کر کے نفس امارہ کے لیے بیان کیے ہیں۔ اس لیے ایسی تشریح اشاری یا فیضی تفسیر ہے۔

خالص اشاری تفسیر کا دور

اس دور کے مشہور مفسر شیخ السلمی نیشاپوری ہیں جن کا اجمالی تعارف پیش خدمت ہے:

تعارف:

آپ کا اسم گرامی محمد بن حسین، کنیت ابوعبدالرحمن اور نسبت ازدی وسلمٰی ہے۔ ۳۳۰ھ میں پیدا ہوئے خراسان میں صوفیہ کے بہت بڑے فاضل اور شیخ تھے۔ طریق سلف پر گامزن رہے۔ تصوف اپنے والد محترم سے اخذ کیا۔ آپ علم حدیث میں مہارت اور بصیرت رکھتے تھے۔ آپ ۴۰ برس تک حدیث کے درس میں مشغول رہے۔ آپ نے عراق، نیشاپور، حجاز میں گھوم پھر کر حدیثیں لکھیں اور ایک کتاب مرتب کی۔ حفاظ حدیث میں سے ابوعبداللہ حاکم اور ابوالقاسم قشیری وغیرھما نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔ ۱۰۰ سے زائد کتب کا ذخیرہ چھوڑا جن کی تعداد ۱۰۰ سے زائد ہے۔ یہ کتب تصوف، تاریخ، حدیث اور تفسیر کے علوم سے متعلق ہیں۔ (۲۱)

تفسیری نمونہ ـــ شیخ السلمی

ابوعبدالرحمن آیت "الٓم" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کا الف "الوحدانیہ" سے لام "لطف" اور میم "الملک" سے ماخوذ ہے پھر اس کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کہنا ہے کہ جو شخص سب علائق واغراض کو چھوڑ کر مجھے پانا چاہتا ہے اسے لطف وکرم کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اُس کو غلامی کی پستی سے

نکال کر ملک اعلیٰ پر فائز کرتا ہوں جس سے مالک الملک کے ساتھ ربط واتصال مراد ہے۔(۲۲)

اسلوب تفسیر___ حقائق التفسیر

یہ تفسیر ایک بڑی جلد پر مشتمل ہے جو تمام قرآنی سورتوں پر مشتمل ہے، مگر تمام آیات کی تفسیر نہیں کی گئی۔ کامل تفسیر، تفسیر اشاری پر مشتمل ہے۔ ظاہری تفسیر سے بالکل تعارض نہیں کیا گیا مگر مولف ظاہری تفسیر کے منکر نہیں ہیں۔ مولف کا کہنا ہے کہ وہ اہل الظاہر کی تفسیر کے قائل ہیں۔ مگر خود صرف صوفیا کے طریقے پر تفسیر قلمبند کرنا چاہتے ہیں۔(۲۳)

اشاری اور نظری تفسیر کا امتزاج

اس دور کا آغاز کرنے والے مفسر ابومحمد روز بہان ہیں۔

تعارف:

آپ کا نام ''ابومحمد روز بہان بن ابونصر بقلی شیرازی ہے صوفی ہیں آپ کی وفات ۶۰۶ میں ہوئی۔''(۲۴)

اسلوب تفسیر_ عرائس البیان فی حقائق القرآن

آپ کی تفسیر اشاری طرز کی ہے آپ نے ظاہری تفسیر کا اقل ذکر کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ جب کہ آپ ظاہری تفسیر کے قائل ہیں جیسا کہ مقدمہ میں خود ذکر کیا ہے۔ مولف کا دعویٰ ہے کہ اس نے وہ تمام حقائق اور معانی یکجا کر دیے ہیں جو خداوند قدوس کی طرف سے اُس پر القاء کیے گئے تھے لہٰذا اس کتاب میں جو کچھ بھی ذکر کیا گیا ہے وہ کتاب اللہ کی تفسیر اور مراد ربانی کا درجہ رکھتا ہے۔

مؤلف نے تفسیر کے ضمن میں جو نادر اور عجیب وغریب معانی بیان کیے ہیں وہ سمجھ سے کافی حد تک بالا ہیں۔ سورۃ مائدہ کی آیت ۸۸ ''وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ''

مولف کے نزدیک اس آیت مبارکہ کی تفسیر کچھ یوں ہے کہ حلال وہ ہے جو عارف کو خوان غیب سے بدون انسانی تکلیف کے پہنچ جاوے اور طیب ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے شوق میں اُس کے دل کو قوت دے اور اُس کے جلال قدیم ودائم کو یاد دلائے۔(۲۵)

اس تفسیر میں حلال وطیب کی تشریح جس انداز میں کی گئی ہے وہ اس پورے علم سے مختلف ہے جو

صحابہ کبارؓ اور فقہائے امت نے بیان کی ہے تصوف کی مشکل اصطلاحات کی مستزاد بھر مار ہے۔مؤلف کے معنی کو نادر کہا جا سکتا ہے مگر ان کے معانی کو مرادِ الٰہی قرار دینا مشکل ہے۔

خالص نظری تفسیر کا دور

اس دور کے بانی شیخ اکبر ابن عربی ہیں۔

تعارف:

شیخ الاکبر محی الدین محمد بن علی المعروف ''ابن عربی'' ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ کو مرسیہ میں پیدا ہوئے۔آپ کا تعلق قبیلہ طی سے تھا۔جس میں مشہور سخی حاتم گزرا ہے آپ کو شیخ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ ۵۶۸ھ میں ابن عربی آٹھ سال کی عمر میں اشبیلیہ (اندلس) آ گئے۔آپ نے کئی ممالک کی سیر و سیاحت کی اور پھر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔یہیں آپ نے ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔آپ کو جبل قیسون میں دفن کیا گیا۔

ابن عربی کی تصانیف کے حوالے سے متضاد بیانات ہیں بعض نے کل کتب کی تعداد ۵۰۰، ۴۰۰، ۲۸۴ تعداد بتاتے ہیں جب کہ ابن عربی کی فہرست میں وفات سے چھ سال پہلے کی ۲۵۱ کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔(۲۶)

ابن عربی کی سب سے ضخیم اہم اور آخری کتاب ''الفتوحات المکیہ فی معرفۃ الاسرار المالکیہ والملکیہ'' مکہ میں ۶۲۹ء میں لکھی گئی دوسری اہم کتاب ''فصوص الحکم'' ۶۲۷ میں دمشق میں تحریر کی گئی ابن عربی کے متصوفانہ فلسفے کا اُصول وحدت الوجود ہے۔ابن عربی پہلے مسلمان مفکر ہیں جنہوں نے کلامِ الٰہی (الکلم) اور انسان کامل کا نظریہ پیش کیا۔

اسلوب تفسیر ابن عربی

ابن عربی کی تفسیر کو اشاری اور نظری تفسیر کا معجون مرکب کہا جاتا ہے اس میں ظاہری تفسیر کو بالکل نظرانداز کیا گیا ہے۔مرکب میں بھی نسبت کے اعتبار سے بالغ مقدار نظری تفسیری اقوال کی ہے۔

ابن عربی نے تفسیر کی بنیاد ''وحدت الوجود'' کے نظریہ پر رکھی ہے اس نظریے سے آپ مراد لیتے تھے کہ وجود در حقیقت ایک ہی ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے۔البتہ ظاہری حواس کو کثرت نظر آتی ہے۔

وحدۃ الوجود سے ابن عربی نے وحدت ادیان کا نظریہ ایجاد کیا۔جس کا حاصل یہ ہے کہ ادیان مذاہب میں کچھ فرق نہیں وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی، اس لیے کہ سب مذاہب ہیں الہ کی عبادت کی جاتی ہے جو انسانوں کی شکل میں متشکل نظر آتا ہے عبادت کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی وحدت ذاتیہ کا تحقق کر سکے۔(۲۷)

ابن عربی آیت ''**والھکم الہ واحد**'' کی تفسیر کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت مبارکہ میں اہل اسلام اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو مخاطب کیا ہے۔ چونکہ اہل اسلام اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے پیشِ نظر بھی خدا ہی کا تقرب ہوتا ہے۔اس لیے گویا وہ بھی اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ جب اُنہوں نے خود اعتراف کیا کہ ہم غیر اللہ کی عبادت تقرب الٰہی کے حصول کے لیے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا الہ اور مشرک کا الہ جس کے توسط سے وہ خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے ایک ہی ہوئے۔دونوں خدا کی احادیث پر متحد ہو گئے اسی لیے قرآن میں ''والھکم'' جمع کے الفاظ ہیں۔

اگر یہ تفسیر ''مقصود ربانی کے مطابق ہے تو پھر کون سی ایسی توضیح وتشریح ہوگی جو مقصود ربانی کے خلاف ہوگی۔معلوم ہوتا ہے کہ بات کو توڑ مروڑ کر وحدۃ الوجود کے عقیدے کے مطابق بنایا گیا ہے یعنی پہلے سے طے شدہ مقدمات کو سچ ثابت کرنے کی ایک کوشش ہے یہی نظری تفسیر ہے اور یہی ہے جس کو رد کیا جاتا ہے۔

اشاری تفسیر پر ظاہری کے غلبے کا دور

اس دور کا ایک مشہور نام آلوسی ہے۔جن کا اجمالی تعارف ذیل میں پیشِ خدمت ہے۔

تعارف:

آپ کا پورا نام سید محمود آفندی، کنیت ابوالثناء، لقب شہاب الدین اور نسبت آلوسی بغدادی ہے۔ آلوس ایک گاؤں کا نام ہے۔ جو شام کے ملک اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔آپ ۱۲۱۷ھ کو بغداد کے محلہ ''کرخ'' میں پیدا ہوئے آپ عراق کے علماء میں نمایاں مقام پر فائز تھے۔منقولات اور معقولات کے عالم تھے اور عدیم المثال محدث اور مفسر تھے۔آپ نے والد محترم کے علاوہ شیخ خالد نقشبندی اور شیخ علی سوہدی سے بھی کسب فیض کیا۔

۱۲۴۸ء میں آپ کو مفتی احناف مقرر کیا گیا۔ آپ اس سے پہلے مدرسہ ''مرجانیہ'' کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ وہ منصب تھا جس پر شہر کا سب سے بڑا عالم مقرر کیا جاتا تھا ماہ شوال ۱۲۶۳ھ افتاء کے منصب سے الگ ہو کر تفسیر قرآن کی تالیف میں لگ گئے۔

آپ مسلکاً ''شافعی'' تھے مگر اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے تھے آخری عمر میں آپ کا رجحان اجتہاد کی طرف ہو گیا تھا آپ نے بہت سی تصانیف یادگار کے طور پر چھوڑیں۔ ان میں سے آپ کی تفسیر بھی ہے جس کا نام ہے ''روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم وسبع المثانی''

آلوسی نے بروز جمعۃ المبارک ۲۰ ذیعقد ۱۲۷۰ میں وفات پائی۔ (۲۸)

اسلوب تفسیر روح المعانی

آلوسی نے اپنی تفسیر کو روایت اور درایت دونوں اعتبارات سے سلف وخلف کے اقوال کے مطابق بنانے کی پوری کوشش کی ہے۔ آپ ابوحبان، کشاف، بیضاوی، رازی اور دیگر معتبر کتب کے اقتباسات لاتے ہیں۔ مگر ان کو من وعن قبول کرنے کی بجائے ان پر پورا محاکمہ کرتے ہیں۔ وہ ضرورت پڑنے پر کسی مفسر کو ہدف تنقید بنانے میں نہیں چوکتے۔ مثلاً فقہی مسائل میں امام رازی پر شدید نقد وجرح کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کی حمایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مؤلف صحابہ کرام کے حق میں تاویل کرتے ہیں اور پورے زور کے ساتھ معتزلہ اور شیعہ وغیرہ کے صحابہ کبار کے بارے میں خیالات کی تغلیط کرتے ہیں۔

آلوسی صوفیانہ تفسیر کی بنیاد ظاہر، باطن، حد اور مطلع پر ہی رکھتے ہیں یہ معیار ان صوفیا کا قائم کردہ ہے جنہوں نے اشاری تفسیر لکھنے کا آغاز کیا تھا۔ مثلاً تستری اور سلمی اور ان کے ہم عصر صوفیائے کرام۔ آپ نے اشاری تفسیر سے غلو کو دور کرنے کی اسی طرح کوشش کی ہے۔ جس طرح ظاہری تفسیر کی خامیوں کو درست کرنے کی سعی کی ہے۔ آلوسی کسی پر طنز کرنے کی بجائے محض غلط بات کو صحیح اور درست انداز میں تحریر فرما کر اپنے مدعا اور مقصد کو پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (۲۹)

آپ نے صوفیانہ تفسیر کو قرن اول کی اشاری تفسیر کے تابع بنایا ہے ظاہری اور اشاری معنوں میں تطبیق کی پوری کوشش کی ہے نظری تفسیر کو نظر انداز کر کے ایک طرح سے اس کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کیا

ہے۔حالانکہ جہاں جہاں ضرورت پڑی وہاں اشاری تفسیر کی ہے مگر ظاہری کے مقابلے میں اس کو ضمنی اور ثانوی حیثیت دی ہے۔آپ کی تفسیر سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک سب سے پسندیدہ تفسیر بالماثور ہے۔

تعارف مؤلف۔ مسائل السلوک

مؤلف مسائل السلوک کا نام اشرف علی ہے۔بقول سید سلیمان ندوی آپ قرآن کریم کے مترجم تھے، مجدد تھے، مفسر تھے، قرآن کریم کے علوم وحکم کے شارح تھے آپ نے قرآن حکیم پر کیے گئے شکوک وشبہات کے جوابات دیے۔محدث تھے، فقیہہ تھے، خطیب تھے، واعظ تھے اور صوفی تھے۔آپ نے تصوف کے اسرار وغوامض کو فاش کیا تھا شریعت اور طریقت کے مابین مدتوں سے جاری جنگ میں صلح کرادی۔ بلکہ دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کردیا اور آپ مرشدِ کامل تھے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد آٹھ سو تک پہنچتی ہے۔کتابوں کی فہرست ۸۶ صفحات پر محیط ہے آپ کی تصانیف عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔ بیشتر کتب اردو میں ہیں۔ بارہ یا تیرہ کتابیں عربی زبان میں ہیں۔

آپ کے علمی کارنامے میں سب سے اہم کام تفسیر ''بیان القرآن'' ہے یہ ۲ جلدوں پر مشتمل ہے آپ نے اڑھائی سال کے عرصے میں سارے کام کو مکمل کیا۔

آپ نے علم سلوک اور تصوف کی کم وبیش ۴۲ کے قریب کتابیں اور رسالے لکھے۔علاوہ ازیں آپ کی تفسیر بیان القرآن کے کئی صفحات کے آخر میں مسائل السلوک کا ذکر ہے۔

آپ نے قرآن کریم کی تمام آیات کی اشاری تفسیر نہیں کی، مگر سورتوں میں سے کوئی ایک سورت بھی ایسی نہیں جس کی کم از کم ایک آیت کی تفسیر نہ کی ہو آپ کے اسی کارنامے کو زیادہ تر اس کتاب میں تحقیق کی نظر سے جانچا گیا ہے۔

تصوف میں آپ کے استاد رشید احمد گنگوہی اور محمد یعقوب نانوتوی ہیں۔ ۱۳۱۰ میں آپ دوبارہ حج کے لیے گئے حاجی امداد اللہ صاحب کے پاس چھ ماہ تک ٹھہرے رہے اور اسی دورہ حج میں آپ علوم عارفانہ میں کمال تک پہنچے۔آپ کی تاریخ وفات ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء ہے۔[۳۰]

اسلوب تفسیر۔ بیان القرآن

آپ کی اشاری تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک دین متین ہی کے ظاہر و باطن کا نام شریعت وطریقت ہے۔ جس طرح ظاہری اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرائض و واجبات مقرر ہیں۔ اسی طرح باطنی اعمال کے لیے بھی فرائض و واجبات ہیں۔ آپ حقوق العباد کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک خاندانی زندگی سے مثبت تعلقات کا نام تصوف ہے اگر کوئی اس میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو اللہ سے تعلق کی ہوا تک نہیں لگی۔ خواہ وہ تمام عمر رسمی مجاہدے کرتا رہے آپ کی تفسیر سے مترشح ہوتا ہے کہ نوافل اور وظائف میں سر مارنے سے بہتر ہے کہ خدا کی مخلوق کو ناراض نہ کیا جائے۔ آپ نے علم سلوک اور تصوف کو جاہل اور مصنوعی صوفیاء اور بدعتیوں کی تلبیس سے پاک رکھنے پر زور دیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ تصوف میں ہندوؤں کے یوگ اور ویدانت کے اصولوں سے تصوف کو پاک کیا ہے۔[۳۱]

نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کے ظاہری معنوں کے ساتھ ساتھ اس کے باطنی معنوں کی طرف بھی اشارہ فرمایا تھا۔ صحابہ کرام ؓ نے آنحضور ﷺ کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر قرآن کریم کے ظاہری اور باطنی معنوں میں اعتدال اور توازن قائم کر کے صحیح سمت میں کام کا آغاز کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ باطنی اور متصوفانہ تفاسیر میں ترقی ہوتی گئی۔

تیسری صدی ہجری میں اس کی ابتداء سہل تستری اور آپ کے ہم عصر صوفیا نے کی۔ ان کی تفسیر کا نام تفسیر اشاری یا فیضی ہے۔ یہ حضرات کثرت عبادت و ریاضت کے بعد منکشف ہونے والے باطنی معنوں کو تفسیر میں ذکر کرتے ہیں۔ وہ ظاہری معنوں کا پورا پورا اقرار کرتے ہیں اور باطنی معنوں ہی کے صحیح ہونے پر اصرار نہیں کرتے۔

پانچویں صدی ہجری میں صوفیا نے ظاہری معنوں کے مقابلے میں باطنی معنوں کو زیادہ اہمیت دنیا شروع کی۔

چھٹی صدی ہجری میں ابن عربی نے خالص نظری تفسیر کو صحیح تفسیر کہا اور ظاہری تفسیر کو مسترد کر دیا۔ آپ نے تفسیر کو فلسفیانہ خیالات کے تحت لانے کے لیے ایسا کیا۔ مفروضوں اور نادیدہ حقائق پر تفسیر کی بنیاد رکھی۔ خلاف ظاہر اور عربی لغت کے منافی معانی اور مطالب بیان کیے۔ ایسی ہی تفسیر کو اور اسی قسم کے تصوف کو ابن تیمیہ جیسے صاحب فکر ونظر نے مسترد کیا ہے۔ طویل عرصے تک صوفیاء اس ڈگر پر چلتے رہے

اور تصوف کو بدنام کرتے رہے۔

تیرہویں صدی کے نصف اول میں آلوسی نے کوشش کر کے قرن اول کی ظاہری اور باطنی تفسیر کا توازن بحال کیا اور پھر چودہویں صدی میں ان کے ہم خیال مفسر تھانوی صاحب نے ظاہری تفسیر کے انکار اور باطنی پر اصرار کو کفر صریح بتایا۔ اسی طرح تفسیر باطنی دوبارہ اس نہج پر پہنچ گئی جہاں سے صحابہؓ نے اس کا آغاز کیا تھا۔

◆◆◆

حوالہ جات

۱۔ النسآء: ۸۷

۲۔ سورۃ محمد: ۲۴

۳۔ الیسوعی،لوئس معلوف: المنجد (مترجم: خان یوسفی)، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۴ء ص ۵۷

۴۔ البعلبکی، دروحی، : البعلبکی، منیر، المورد الوسیط، بیروت، دار العلم للملایین، ۱۹۹۶ تحت مادہ صوف

۵۔ حاکم محمد بن عبداللہ، ابوعبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۰ء، ۱/ ۱۲۹

۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، س ن، ۲/ ۳۸۵

۷۔ جیلانی عبدالقادر، سید: غنیۃ الطالبین (ترتیب جدید: عبدالمجید صدیقی)، لاہور: المیز ان، ۲۰۰۴ء، ص ۸۶

۸۔ الہجویری، علی بن عثمان: کشف المحجوب، (مترجم: مفتی غلام معین الدین)، لاہور، زاویہ پبلشرز، ۲۰۰۳ء ص ۸۶

۹۔ الغزالی، محمد بن محمد، ابوحامد، امام: احیاءعلوم الدین، بیروت، دارالمعرفۃ، س ن، ۲/ ۵۰

۱۰۔ القشیری، عبدالکریم ہوازن، اوالقاسم، رسالہ القشیریہ مع حاشیہ العروسی، دمشق، جامعہ الدرویشیہ، ۳/ ۶

۱۱۔ ابوحاتم، محمد بن حبان، صحیح ابن حبان، طبع اول، موستہ الرسالت، بیروت لبنان، ج ۱/ ص ۶۷

۱۲۔ شاطبی، ابواسحق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، طبع ثانی، المکتبہ التجاریت الکبری، ۱۹۷۰

۱۳۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (باب التفسیر) ج/ ۴ ص ۱۹۰۱

۱۴۔ رازی، امام: التفسیر الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت (س ن) ج ۶/ ص ۱۳۹

۱۵۔ ذہبی، محمد حسین ــــ التفسیر والمفسرون، مکتبہ وھبۃ، عابد بن، مصر ۱۹۸۵، طبع سوم، ج ۲/ ص ۴۴

۱۶۔ چلپی، ملا کاتب، کشف الظنون، الفصیلیہ، استنبول ترکی، ۱۹۴۱ء

۱۷۔ التفسیر والمفسرون، ص ۳۴۰

۱۸۔ کشف المحجوب: ص ۱۲۰

۱۹۔ دانش گاہ پنجاب، لاہور، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول، ج ۱۱/ ص ۴۷۴ تا ۴۷۶، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۸۰ء

۲۰۔ تستری، ابومحمد سہل بن عبداللہ، مقدمہ تفسیر القرآن العظیم: بولاق الاتراک، مصر ۱۹۰۸ء

۲۱۔ دانش گاہ پنجاب، لاہور، اردو دادارہ معارف اسلامیہ، ص ۱۹۱

۲۲۔ سلمٰی، ابوعبدالرحمن محمد بن حسین، حقائق التفسیر، (بحوالہ التفسیر والمفسرون) ص ۹

۲۳۔ التفسیر والمفسرون، ص ۳۶۸۔۳۶۹

۲۴۔ کشف الظنون، ج ۲ ص ۲۱

۲۵۔ عرائس البیان، ج ا، ص ۱۹۰

۲۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ص ۶۰۶

۲۷۔ احمد شنطاوی، حاشیہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ج ا ص ۳۳۳، بجنہ الترجمۃ ۱۹۳۳ء

۲۸۔ التفسیر والمفسرون، ص ۳۳۶

۲۹۔ آلوسی، محمود آفندی، روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی۔ ج ا ص ۷، ۵

۳۰۔ عارفی محمد عبدالحی، ماثر حکیم الامت، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۸۶ء، ج ا ص ۴۷ ۴

۳۱۔ ایضاً، ص ۳۱۲۔ ۳۱۳

◆◆◆

سیّد اشرف جہانگیر سمنانی اور ان کی تصنیف لطائف اشرفی
(ایک جائزہ)

ڈاکٹر محمد حسین آزاد☆

Abstract:

The Chishtiyya is one of the most important Sufi orders of South Asia. The Chishti Sufi approach is distinctive in many ways from the order Muslim Sufi orders. They incorporated and amalgamated many regional spiritual rituals with Islamic concept of spirituality. However, South Asian Sufis are usually criticized because of their lack of interest in academic and literary works and it is generally argued that their Sufi ideas and teachings were not preserved properly. The present article is an endeavor to negate this popular notion. The South Asian Sufis have a rich history of hagiographical tradition. The disciples of the leading Sufis composed hagiographical notes of their masters to preserve their Sufi thoughts. The Lataif Ashrafi is considered a significant source for the study of Chishti Sufis. In which Nizam al-Din Yemeni composed the spiritual ideas of his Sheikh Sayyad Ashraf Jahangir Samnani. This study aims to present briefly a biographical assessment of Sayyad Ashraf Jahangir Samnani. Furthermore, it attempts to analyze the

☆ پرنسپل گورنمنٹ ولایت حسین کالج، ملتان

Sufi ideas recorded in the Ladtaif Ashraf. This study helps to determine the value of Lataif Ashrafi in the Sufi hagiographical literature .

Keywords:

Chishti Sufi Order, Hagiographical literature, South Asian Sufism, Sayyad Ashraf Jahangir Samnani, Lataif Ashrafi.

مشائخ طریقت کے سلسلوں میں چشتیہ سب سے قدیم ہے ۔ خواجہ ممشاد علو دینوری (م298ھ) نے اسکی بنیاد رکھی۔ اپنے ایک مرید خواجہ ابواسحاق (م329ھ) جو کہ شام کے رہنے والے تھے، انہیں خرقہ خلافت عطا کر کے شام کی بجائے چشت جانے کا حکم دیا اور ساتھ فرمایا کہ آج کے بعد آپ چشتی ہیں۔ اس دن کے بعد سے خواجہ ممشاد علو دینوری کا قائم کردہ سلسلہ خواجہ ابواسحاق چشتی سے منسوب ہو کر چشتیہ کہلانے لگا۔[1] حضرت علیؓ کے چاروں خلفاء سے جاری ہونے والے چودہ خانواووں میں سے ایک خانوادہ چشتیاں کے نام سے بھی موجود ہے جو کہ خواجہ علو دینوری کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ خواجہ دینوری نے خواجہ ابوہبیرہ بصری (م287ھ) سے خلافت حاصل کی۔ انہوں نے حذیفہ مرعشی (م252ھ) سے، انہوں نے ابراھیم بن ادھم (م161ھ) سے، انہوں نے خواجہ فضیل بن عیاض (م187ھ) سے، انہوں نے خواجہ عبدالواحد بن زید (م177ھ)۔ انہوں نے حضرت امام حسن بصری (م110ھ) اور وہ حضرت علی کرم اللہ (م40ھ) کے مرید وخلیفہ تھے۔[2]

خواجہ ابواسحاق چشتی (م329ھ) نے چشت پہنچ کر سلسلہ چشتیہ کی ترویج واشاعت کا آغاز کیا۔ ابتداء میں ہی وہاں کے رئیس خواجہ احمد چشتی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ خواجہ احمد چشتی (260-355ھ) اثر ورسوخ اور جاہ وحشمت میں بے مثل تھے۔ الہامات ومکاشفات میں یگانہ اور صوفیاء میں بلند مقام کے حامل تھے۔ آپ کے وجود مسعود سے چشتیہ کو بہت عروج ملا۔ بعض مشائخ چشت کے نزدیک تو حقیقی بانئ سلسلہ آپ ہی ہیں۔ آپ نے اپنے بعد مسندِ خلافت پر اپنے صاحبزادے خواجہ محمد چشتی (م411ھ) کو متمکن فرمایا، خواجہ محمد چشتی نے، سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ جہاد میں حصّہ لیا اور سو منات پر حملہ کرنے والے جہادی لشکر میں بھی شامل ہوئے۔ اس طرح آپ نے ہندوستان میں قدم رنجہ تو فرمایا تاہم سلسلے کی ترویج واشاعت کا کوئی کام نہ ہوسکا۔[3]

خواجہ محمد چشتی (م411ھ) نے اس نعمت باطنی کو اپنے خواہرزادے خواجہ ناصرالدّین ابویوسف چشتی (م374-459ھ) کے حوالے کیا اور انہوں نے اپنے صاحبزادے خواجہ قطب الدّین مودود چشتی (م430-527ء) کو خلافت عطا کی۔مشائخ چشت کے یہ ابتدائی اکابرین پنج خواجگان چشت کے نام سے معروف ہیں۔[4]

خواجہ مودود چشتی (م527ھ) نے خرقہ خلافت خواجہ حاجی شریف زندنی (م612ھ) کو عطا کیا۔ انہوں نے خواجہ عثمان ہارونی (م617ھ) کو اور ان سے یہ باطنی نعمت خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری (م536-633ھ) نے حاصل کی۔چشتیہ سلسلے کے سب اکابرین کا تعلق عراق وشام اور ایران و افغانستان سے تھا۔خواجہ معین الدّین اجمیری (م633ھ) پہلے چشتی بزرگ ہیں جو اپنے شیخ طریقت کے حکم پر 588ھ میں خراسان سے ہندوستان تشریف لائے اور سلسلہ چشتیہ کو برصغیر میں روشناس کرایا ۔آپ کی تبلیغ اور مساعی جمیلہ کی بدولت سلسلہ ہندوستان کے شرق وغرب میں پھیل گیا،کفر وضلالت کے اندھیرے چھٹ گئے۔صدیوں پر محیط پرتھوی راج دم توڑ گیا اور ہر طرف توحید کی صدائیں گونجنے لگیں۔[5] آپ کے قائم کردہ سلسلے سے خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی (م635ھ) خواجہ فریدالدّین مسعود (م670ھ)

سید علاء الدّین احمد صابر کلیری (م690ھ) خواجہ نظام الدّین اولیاء (م725ھ) خواجہ نصرالدّین چراغ دہلوی (م757ھ) سیّد گیسودارز بندہ نواز (م721-825ھ) اور سیّد اشرف جہانگیر سمنانی (م808ھ) جیسے اولیاء وابستہ ہو گئے۔اکابرین چشت کا رجحان تصنیف وتالیف کی طرف بہت کم رہا ہے۔معتقدین میں خواجہ ممشاد علو دینوری سے لیکر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے سوائے خواجہ قطب الدین مودود چشتی کی حجۃ السالکین کی کوئی تحریر نظر نہیں آتی البتہ ملفوظات وارشادات کی نمایاں فہرست درج ذیل ہے۔جس میں پہلے صاحب ملفوظات، پھر مرتبِ ملفوظات، نام مجموعہ، زبانِ ملفوظات اور آخر میں سالِ ترتیب ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت خواجہ عثمان ہاردنی چشتیؒ قدس سرہ مرشد، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، انیس الارواح (فارسی)، 582ھ،

۲۔ حضرت خواجہ خواجگان معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، دلیل العارفین (فارسی)، ۶۱۴ھ

۳۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اوشی قدس سرہ، حضرت بابا مسعود فرید گنج شکر قدس سرہ، فوائد السالکین (فارسی)، نامعلوم

۴۔ حضرت بابا مسعود فرید گنج شکر قدس سرہ، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ، راحت القلوب (فارسی)، ۶۵۵ھ

۵۔ حضرت شیخ التارکین شیخ حمید الدین ناگوری قدس سرہ، شیخ فرید الدینؒ نبیرہ وخلیفہ، سرور الصدور (فارسی)، ۶۹۶ھ

۶۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ، شیخ امیر حسن بخری دہلویؒ فوائد الفواد (فارسی)، ۷۰۷ھ

۷۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ، شیخ بہاؤ الدین ابن مولانا جلال الدین رومیؒ، فیہ مافیہ (فارسی)، ۷۱۱ھ

۸۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ، حضرت امیر خسرو دہلویؒ، افضل الفوائد (فارسی)، ۷۱۳ھ

۹۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہ، شیخ حمید قلندر وشاعر، خیر المجالس، س ن

۱۰۔ حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری قدس سرہ، شیخ مولانا زین العابدین بدر عربیؒ، معدن العانی ۷۵۱ھ

۱۱۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہ، شیخ ابوعبداللہ علاؤ الدین (مرید شیخ مخدوم)، جامع العلوم (الدر المنظوم)، ۷۷۷ھ

۱۲۔ حضرت سید محمد الحسینی المعروف بہ سید، سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر، انوار المجالس، ۸۰۲ھ

۱۳۔ بندہ نواز گیسو درازؒ حسینی، جوامع الکلم (6 ماہ کے ملفوظات)، ۱۴۱۲ھ

۱۴۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی، نظام الدین یمنی، لطائف اشرفی

ان ملفوظات کے علاوہ حضرت شاہ فخر الدین، شاہ عبد العزیز دہلویؒ، حضرت شاہ نور محمد مہاروی ،خواجہ حضرت محمد سلیمانؒ تونسوی، حافظ محمد جمال اللہ ملتانی، شیخ حیدر شاہ جلال پوری قدس اللہ سرہم کے ملفوظات بھی شائع ہو چکے ہیں کثیر تعداد قلمی نسخوں کی صورت میں ابھی تک سجادہ نشینوں کے پاس موجود ہے۔ ان قلمی مسودوں کی اشاعت لمحہ موجود کی اشد ضرورت ہے۔ صوفیاء کے مکتوبات بھی خانقاہ نشینوں

کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ملفوظات کیطرح مکتوبات بھی تصوف کا اہم سرمایہ ہیں کیونکہ وہ اس عہد کی تاریخ، ثقافت، سماجیات، عمرانیات، معاشیات اور اخلاقیات کا مظہر ہیں۔صوفیا اپنے معاصرین، مشائخ اور حکمرانوں کو لکھتے رہتے تھے۔خط و کتابت، ملفوظات سے بھی زیادہ محفوظ اور اہمیت کے حامل ہیں۔ مکتوبات صدی، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور مکتوبات سید اشرف جہانگیر سمنانی تاریخ تصوف میں غیر معمولی شہرت کے حامل ہیں۔

آج کی گفتگو متوخر الذکر سید اشرف جہانگیر سمنانی اور ان کے ملفوظات (لطائف اشرفی) کے حوالے سے ہے۔آپ کے ارشادات وملفوظات کا جائزہ لینے سے پیشتر مناسب ہے کہ آپ کے مختصر حالات بیان کر دیے جائیں۔صحائف اشرفی اس مقصد کیلئے نہایت مستند مآخذ ہے۔سید علی حسین اشرفی میاں نے آپ کے ورودِ مسعود، تعلیم وتربیت، وعظ ونصیحت اور ارشادات وتعلیمات کو بنظرِ تحقیق مرتب کیا ہے۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی نسباً حسینی، مسلکاً حنفی اور مشرباً چشتی تھے۔قطب الاقطاب، غوث العالم اور محبوب یزدانی جیسے القابات سے متصف تھے۔آپ کے والد سمنان (خراسان) کے حاکم تھے۔والدہ ماجدہ کا اسم گرامی خدیجہ تھا جو کہ معروف بزرگ خواجہ احمد یسوی (م1166ء) کی اولاد سے تھیں۔اور والد سادات نور **بخشیہ** سے تھے۔اس نسبت کی وجہ سے نور بخشی سامانی کہلاتے تھے۔ سلسلہ نسب اسطرح حضرت علیؓ سے ملتا ہے:

> سید اوحدالدّین اشرف جہانگیر بن سید ابراھیم شاہ نور بخشی سمنانی سامانی بن سید عمادالدّین بن سیّد نظام الدّین محمد علی شیر شاہ نور بخشی بن سید ظہیرالدّین محمد شاہ نور بخشی بن سید تاج الدّین محمد بہلول شاہ نور بخشی بن سید شمس الدّین محمود نور بخشی بن سید سلطان اسماعیل شاہ سامانی بن سید ابوالمظفر علی اکبر بلبیل بن سیّد محمد مہدی بن سیّد اکمل الدّین بن سید جمال الدّین ابوالقاسم بن سیّد ابی عبداللہ بن سید حسین شریف بن سیّد ابو احمد حمزہ بن سیّد ابوعلی موسیٰ بن سیّد اسماعیل ثانی بن سیّد ابوالحسن محمد بن اسماعیل اعرج بن سیّد امام جعفر صادق بن سیّد ابوجعفر امام محمد باقر علی بن سیّد امام زین العابدین علی بن سیّدنا امام حسین بن سیّدنا علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین (صحائف اشرفی 53-54)(6)

خراسان کے شہر سمنان میں 707ھ میں ولادت ہوئی۔ابتدائی تعلیم شاہی روایت کے مطابق گھر حاصل کی۔قرآن حفظ کرنے کے بعد تمام قراءتوں میں مہارت حاصل کی اور 14 برس کی عمر میں ہی جملہ

مروجہ معقول ومنقول علوم پر عبور حاصل کرلیا۔روحانی تربیت کیلئے خواجہ علاء الدّین سمنانی کی خدمت میں حاضری کو معمول بنایا۔ابھی 17 سال کے تھے کہ آپ کے والد ماجد وفات پا گئے اور تخت شاہی آپ کو سنبھالنا پڑا۔فقر و درویشی کی طرف میلان کی وجہ سے تختِ حکومت راس نہ آیا اور مختصر عرصہ میں ہی اپنے بھائی محمد سمنانی کے حوالے کر دیا۔(7) جتنا عرصہ حکومت کی جہاد فی سبیل اللہ میں بنفس نفیس شریک رہے۔ مالی ولسانی جہاد کے ساتھ جانی جہاد بھی جاری رہا۔تخت شاہی چھوڑنے کے بعد تن تنہا ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور ملتان پہنچ کر قریبی قصبہ اُچ شریف میں ،حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت (م785ھ) کی خدمت اقدس میں حاضری دی۔مخدوم علیہ الرحمۃ نے مقاماتِ فقر اور نعمت باطنی عطا کرنے کے بعد بنگال کے شہر بہار جانے کا ارشاد فرمایا کہ وہاں پر علاء الدّین گنج نبات قدس سرہ آپ کے منتظر ہیں۔شب و روز سفر کے مرحلے طے کرتے ہوئے ،اُچ سے دہلی ، دہلی سے بہار پہنچے ۔ بہار پہنچ کر بمطابق وصیت شیخ شرف الدّین یحیٰ منیری کی نماز جنازہ 782ھ میں پڑھائی اور بعد ازیں اپنے شیخ کی خدمت میں روانہ ہو گئے۔(8) بہار سے اپنے شیخ طریقت کے آستانہ پنڈوا شریف پہنچے۔مرشد کریم مخدوم شیخ علاؤ الحق والدّین گنج نبات نے اپنے تمام موجود خلفاء کے ہمراہ آپ کا استقبال کیا اور فرمایا کہ جب سے آپ نے سمنان چھوڑا ہے اور جتنی منازل طے کی ہیں ، میں ہر منزل میں آپ کے ساتھ رہا ہوں۔(9) آپ نے مرشد کریم کے آستانہ کو بوسہ دیا چشتیہ روایت کے مطابق بیعت کی۔نسبت بیعت وخلافت اس طرح ہے:

مخدوم شیخ علاء الحق والدّین گنج نبات (م800ء) مرید خواجہ عثمان اُخی سراج (758ء) مرید خواجہ نظام الدّین اولیاء(م725ء) مرید خواجہ فریدالدّین مسعود گنج شکر(م670ء) خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی (م635ء)،خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (م 633ء) خواجہ عثمان ہارونی ،حاجی شریف زندنی ،خواجہ قطب الدّین مودود چشتی ،خواجہ ناصر الدّین ابو یوسف، خواجہ ابواحمد ابدال ،خواجہ ابواسحاق چشتی ،خواجہ ممشاد دینوری ،خواجہ امین الدّین ابی ہبیرہ البصری ،خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشی ،خواجہ ابراھیم بن ادھم ،خواجہ فضیل بن عیاض ،خواجہ عبدالواحد بن زید ،خواجہ امام حسن بصری ،حضرت علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔(10) خرقہ خلافت پانے کے بعد فریضہ حج ادا کرنے کیلئے عازم سفر ہوئے۔روم و ایران ،عراق و شام کے علاوہ جملہ عرب ممالک کی سیر کی اور ساتھ ہی تبلیغ کا فریضہ بھی

سرانجام دیتے رہے۔ شیخ بدیع الدّین شاہ مدار ہمراہ تھے۔ دوران سفر مولانا جلال الدّین رومی کے صاحبزادے سلطان ولداور ترکی کے دیگر مشائخ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ مصرو یمن کے شیوخ اور بغداد کے صوفیاء سے ملے۔ کاشان پہنچ کر، شیخ عبدالرزاق کاشانی سے فصوص الحکم، فتوحات مکیہ اور اصلاحِ کبیر پڑھیں۔ ماورالنہر میں خواجہ بہاؤالدّین نقشبند(م 791ھ) کی خدمت میں حاضری دی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ ترکستان پہنچ کر خواجہ احمد یسوی کے صاحبزادے سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ سیّد علی ہمدانی کے ہمراہ ایک بار پوری دنیا گھومے، سیر وسیاحت کے ساتھ زیارات مشائخ عظام اور تبلیغ دین کا فریضہ بھی انجام دیا۔ امام یافعی، شاہ نعمت اللہ ولی اور حافظ شیرازی سمیت 190 سے زائد شیوخ کی زیارت کی اور فیض حاصل کیا۔ بالآخر واپس تشریف لائے اور مستقل طور پر فیض آباد کے قریبی قصبہ کچھو چھہ شریف میں سکونت اختیار کر لی۔ کچھو چھہ شریف کا پرانا نام روح آباد ہے اور یہ فیض آباد سے 53 میل کی مسافت پر واقع ہے۔[11] اپنے شیخ طریقت کی وفات کے بعد آپ کی بقیہ عمر اسی قصبہ میں گزری۔ سیر و سیاحت اور ترویج واشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک بار خراسان تشریف لے گئے۔ یہاں سے جیلان اپنی خالہ زاد بہن کو ملنے گئے جو کہ سید عبدالغفور کے گھر میں تھیں۔ سید عبدالغفور، سید عبدالرزاق بن سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ وہاں آپ نے حاجی عبدالرزاق کو دیکھا جو کہ آپ کی خالہ زاد بہن کے 12 سالہ حسین وجمیل فرزند تھے۔ انہیں دیکھتے ہی اپنا معنوی فرزند بنالیا اور فرمایا کہ یہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ انہیں مجھے عطا کر دو۔ آپ کے بہنوئی اور خالہ زاد بہن نے بخوشی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ آپ انہیں کچھو چھہ شریف لے آئے، نورالعین کا خطاب دیا، خوشی کا جشن منایا۔ اور ایسی تربیت فرمائی کہ قطب جہاں بنا دیا۔ آپ فرمایا کرتے کہ لوگ اپنی صلب سے نسل بڑھاتے ہیں، میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے نکالا ہے اور ساتھ ہی فی البدیہی یہ شعر پڑھا:

چہ نور دیدہ ام از نور دیدہ   کہ نور دیدہ باشد نور دیدہ[12]

کچھو چھہ شریف کے سادات حسنیہ اشرفیہ آپ کے معنوی بیٹے پیر سید عبدالرزاق کی اولاد ہیں۔ خانوادہ اشرفیہ جیلانیہ بہت معتبر اور باوقار علمی و روحانی خانوادہ ہے۔ یہ سب حضرات القدس سید اشرف جہانگیر سمنانی کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں۔ سیّد اشرف جہانگیر علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد 808ھ

میں حاجی عبدالرزاق نے مسندِ ارشاد سنبھالی۔ آپ 120 سال کی عمر طویل پا کر 848 میں فوت ہوئے اور اپنے مرشد کریم کے پہلو میں دفن ہوئے۔(13) سید اشرف جہانگیر سمنانی تبحر عالم اور باعمل صوفی ہونے کے ساتھ بہت بڑے مناظر، فقیہ، محقق، مصنف اور منفرد شاعر تھے۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں ملکہ حاصل تھا۔ جب آپ اپنے مرشد کریم کی خدمت میں پہنچے تو دہلیز پر سر رکھتے ہی فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

ما بر جناب دولتِ خود سر نہادہ دیم / رختِ و جود بر سرِ ایں در کشادہ ایم

ظلمات ِ راہ گرچہ بریدیم عاقبت / تشنہ بر آب چشمۂ حیوان فتادہ ایم

بر شاھراہِ فقر نہادیم رخ ولے / بر عرصہء حریم چوں فرزیں پیادہ ایم

اے بر حریم عرش جنابِ تو مازسر / پا بر نہادہ ایم چہ بر تر نہادہ ایم

سر بر حریم حضرت عالی نہادہ او / بر روئے تو کشادہ بر در ایستادہ ایم

دارم امیدِ مقصد عالی زدر گہت / چو در دیارِ غربت ازیں بھم زیادہ ایم

اشرف مسِ وجودِ خود آورد بہرزر / از دولتِ حکیم بہ اکسیر دادہ ایم(14)

لطائف اشرفی، محبوب یزدانی کے ارشادات کا مجموعہ ہے جو کہ آپ کے مرید خاص مولانا نظام الدّین یمنی نے 30 سال کے عرصہ طویل میں مرتب کیے۔ یہ کتاب دہلی سے چھپ کر قارئین تک پہنچی۔ 869 صفحات پر مشتمل ہے۔ بزبانِ فارسی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد کے 412 اور دوسری 457 صفحات ہیں۔ پہلی بار یہ دونوں کتابیں، سید علی حسین اشرفی کی سرپرستی میں دھلی کی پریس نصرت المطابع سے 1297ھ میں شائع ہوئیں اور طبع دوم کے ناشر اسی خانوادے کے چشم و چراغ سید محمد مظاھر اشرفی ہیں۔ جنھوں نے 1999 میں اسے چھپوا کر قارئین کی نظر کیا۔ لطائف اشرفی، علوم وفنون کی قاموس ہے۔ تصوف کا انسا ئیکلو پیڈیا ہے اور اس عہد کی ایک علمی و ادبی تاریخ بھی ہے۔ موضوع کی مناسبت اور کتاب کی اہمیت اور افادیت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اشرفیہ ارادت مندوں اور خانوادہ کے روحانی پیشواؤں نے اسکا اردو ترجمہ کرانے کا فیصلہ کیا تا کہ عامۃ النّاس اس کتاب سے استفادہ کر سکیں۔ یہ سعادت سب سے پہلے سید شاہ نذر اشرف فاضل کچھوچھہ شریف کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے 9 لطائف کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کے بعد مشیر احمد کاکوروی نے 1943 میں اختصار کے ساتھ ترجمہ کیا جو تین تین سو صفحات پر مشتمل تھا اور دو

جلدوں میں شائع ہوا۔اب حصہ اوّل مکمل طور پر چھپ چکا ہے جو کہ 20 لطائف کے ساتھ 772 صفحات پر مبنی ہے۔ اردو ترجمہ علامہ شمس بریلوی نے کیا ہے اور نظر ثانی کا شرف ڈاکٹر خضر نوشاہی کو حاصل ہوا ہے۔ہاشم رضا اشرفی کی مساعی جمیلہ اور بھر پور توجہ بالخصوص قابل تحسین ہیں۔یہ اردو ترجمہ جون 1999 میں سہیل پریس پاکستان چوک سے، نذر اشرف شیخ محمد ہاشم رضا اشرفی نے چھپوا کر، حلقہ اشرفیہ، اشرفی انٹر پرائزز کی وساطت سے ارادتمندوں تک پہنچایا ہے۔سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین کچھو چھہ شریف اور سید اظہار اشرف اشرفی نے اپنے تاثرات لکھے ہیں۔دوسری جلد کے 40 لطائف ہیں جو بزبان فارسی ابھی تک موجود ہیں اور اردو ترجمہ کے منتظر ہیں۔پہلی جلد میں،صوفیہ کے آداب،توحید اور اس کے مراتب، ولی کی پہچان اور انکی اقسام،صوفیہ کی اقسام اور ان کی تعریف،معرفت وحقیقت،معجزہ و کرامت،تلقین واذ رکار،مراقبہ ومشاہدہ،خرقہ کی تعریف اور اقسام،خانوادوں کا آغاز وارتقاء ،سلسلہِ اشرفیہ کے مشائخ اور خلفاء کا بیان شطحیات کے معانی وتوجیہہ،آداب صحبت وزیارت،معانی زلف وخال، در بیانِ معانی ادبیات متفرقہ۔

دوسری جلد،مسئلہ جبر وقدر،خیر وشر،عقائدِ صوفیہ،حضرت سید جہانگیر سمنانی کے ترکِ سلطنت کے احوال اور مرشد کے آستانہ پر حاضری، مشائخ طریقت کے ساتھ ملاقات اور سفر، ذکرِ ایمان و دلائل اثبات،اصول شریعت وطریقت،وحدت الوجود کا بیان توبہ وارا کین خمسہ،فرقہ بندیوں کا بیان،سفر کے فوائد،مشروبات وماکولات کا بیان،شرائطِ اعتکاف وخلوت،اوراد ووظائف عشق اور مراتبِ عشق، زہد و تقویٰ،توکل،تعبیر خواب،بخل وسخاوت، اخلاق وعادات،غضب وشفقت،مومن ومسلم امر بالمعروف و نہی عن المنکر،امامت کی شناخت،معرفت نفس،علم وفضل،آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب،خلفاءِ راشدین وصحابہ، کراماتِ جہانگیر سمنانی،سیدنا عبدالرزاق کے حالات،تاریخ اودھ اور اسمائے اعظم،ملائکہ ومردانِ غیب کا بیان،سید عبدالرازق کی اولاد کا بیان اور خاتمہ پر صوفیاء کے اوصاف اور حکایات کا بیان ہے۔دونوں کتابوں میں 60 لطائف ہیں۔سماع بالمزامیر کے جواز میں دلائل، بالخصوص لائقِ مطالعہ ہیں۔سید عبدالرزاق نورالعین کو پہلا سبق یہی دیا ہے کہ ادب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ کیونکہ توحید وایمان کی پہچان کے بعد ادب کا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ارشادِ نبوی ہے:'' پہلے ادب سیکھو، پھر علمِ دین حاصل کرو، اس

کے بعد خلوت نشینی اختیار کرا اور جو کچھ حاصل کیا ہے اس پر عمل کرو'۔ (15)

صوفی پر تحصیل علم واجب ہے۔علم کے بغیر سجادہ نشینی گمراہی ہے اسی بنا پر شیخ احمد جام زندہ پیل نے خواجہ قطب الدّین مودود چشتی کو فرمایا تھا کہ اپنا سجادہ طاق پر رکھو۔ پہلے جا کر علم سیکھو اور اسکے بعد مسند ارشاد پر بیٹھو، کیونکہ جاہل صوفی شیطان کا پیروکار رہتا ہے۔علم حاصل کرا اور اس پر عمل کرو کیونکہ عمل کے بغیر عالم اس آئینے کی مانند ہوتا ہے جو بغیر قلعی کے ہے۔جب تک عالم کے آئینے میں عمل کی قلعی نہ ہو احوال و مقامات کا چہرہ نظر نہیں آتا اور نہ ہی لطائف قلبی کی لطافت میں نمود ہوتی ہے۔ (16)

ملفوظات کی ابتداء توحید وایمان اور علمِ شریعت سے ہوتی ہے کیونکہ تحصیل تصوف کا پہلا زینہ علم ہے۔اپنے مریدین ومتبعین اور سالکین کو پہلی بات یہ سمجھائی ہے کہ علم کے بغیر آدابِ تصوف پر عمل ممکن نہیں اور نہ ہی خالق کی پہچان ممکن ہے۔تاہم علم پر عمل کرنا اس سے بھی کہیں ضروری ہے۔حضرت مخدوم کے جملہ ارشادات یا تو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں یا مستند کتابوں کے حوالے اور اکابرین کے ملفوظات سے مزیّن ہیں۔کتبِ احادیث وتفسیر اور فقہ کے ائمہ کی عبارات واقتباسات بطور حوالہ دیکھ کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ کو علوم ظاہری و باطنی پر عبور حاصل تھا۔جابجا مستند کتابوں کے حوالے نظر آتے ہیں۔آپ فرمایا کرتے: مشائخ عظّام کی تصانیف، ربّ جلیل کے لامتناھی انعام وبخشش کا نتیجہ ہوتی ہیں۔اسی عقیدہ کے پیش نظر آپ نے رسالہ مناقب ومراتب خلفائے راشدین تحریر کیا۔ (17)

لطائف اشرفی کا منفرد باب جو مشائخ طریقت کے خانوادوں کے آغاز پر مبنی ہے۔اس کی ابتدا آپ نے خواجہ مودود چشتی کی کتاب حجۃ السالکین کے حوالے سے کی ہے۔فرماتے ہیں: جب خواجہ حسن بصری بہت زیادہ ضعیف ہو گئے تو انہوں نے مسندِ خلافت اپنے دو شاگردوں، شیخ عبدالواحد بن زید (م177ھ) اور شیخ حبیب عجمی (م156ھ) کے حوالے کی۔آپ کے یہ دونوں شاگرد یگانہ روزگار تھے۔مشائخ طریقت کے جملہ چودہ خانوادے انہیں دونوں حضرات القدس کے ذریعے خواجہ حسن بصری تک پہنچتے ہیں۔ (18)

خواجہ مودود چشتی (م529ھ) کی کتاب کا حوالہ دینے کے بعد اس کی تفصیل اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"مشائخ طریقت کے یہ چودہ خانوادے صوفیاء میں معروف ہیں تاہم اور بہت سے سادات کے خانوادے ہیں جو حضرت علی سے جڑے ہوئے ہیں ۔ مذکورہ چودہ خانوادے مذہباً اھل سنت و جماعت ہیں۔ پانچ خانوادے شیخ عبدالواحد بن زید کے ذریعے اور باقی 9 خانوادے حضرت حبیب عجمی کے واسطے سے امام حسن بصری تک پہنچتے ہیں۔خواجہ عبدالواحد بن زید کی وساطت سے : زیدیان ،عیاضیان ، ادہمیان ،ہبریان اور چشتیان ہیں۔خواجہ حبیب عجمی کے ذریعے حضرت امام حسن بصری تک پہنچنے والے خانوادے : حبیبیان ،طیفوریان، کرخیان، سقطیان ، گازرونیان ، فردوسیان، جنیدیان ،طوسیان اور سہروردیان۔مذکورہ چودہ خانوادوں کی ابتداء بیان کرنے کے بعد ان کے پیشواؤں کے حالات اور خانوادے کا اختصاص خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں ۔کتاب کا یہ حصہ منفرد نظر آتا ہے۔سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں بارہ سلاسل تصوف کا ذکر کیا ہے۔جن میں دو سلسلوں کو مردود قرار دیا ہے اور دس سلاسل ،محاسبیہ ،طیفوریہ،قصاریہ،نوریہ، حکیمیہ،خفیفیہ،سہیلیہ اور جنیدیہ کو مقبول لکھا ہے۔(19)

آئین اکبری میں بھی 14 سلاسل کا ذکر موجود ہے۔انہوں نے بھی : حبیبیان ،طیفوریان ، کرخیان ،سقطیان ، جنیدیان، گازرونیان ، طوسیان ،فردوسیان ، سہروردیان، زیدیان ، عباسیان ، ادھمیان،ہبیریان اور چشتیان کو مقبول قرار دیا ہے۔(20)

مئوخر الذکر دونوں حضرات نے بھی اگرچہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ملتا جلتا ذکر کیا ہے اوران خانوادوں کے رہن وسہن ،نشست و برخاست اور اخلاق و عادات بیان کیے ہیں ۔لیکن سید اشرف جہانگیر سمنانی کا انداز یکسر منفرد اور دلکش ہے۔تمام خانوادوں کے پیشواؤں کے حالات ، خانوادے کا آغاز ، اس کا اختصاص ،تعلیمات اذکار واشغال ،طریقہ عبادت ومجاہدات اوران کے لباس کا ذکر اس انداز میں کرتے ہیں جیسے خود مشاہدہ کیا ہو۔اس خانوادے کے خصائل کی تشریح میں اشعار بھی کہتے ہیں مثلاً خانوادوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے خانوادہ زیدیان سے آغاز کرتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن عوف کے پانچ فرزند تھے۔ پانچوں شیخ عبدالواحد بن زید کے مرید ہوگئے یہاں تک کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر ان کے سپرد کردیا۔ خاندانی ومکانی

نسبت کو اپنے شیخ کی نسبت میں گم کر دیا۔ پانچوں مرید، حافظِ قرآن علومِ کے عالم، ریاضت وعبادت میں یگانہ یکتا، قائم اللیل ہیں اور صائم الدھر اور شب بیدار روزہ دار اور مخلوقِ خدا کو ایذا نہ دینے والے تھے یہاں تک کہ چیونٹی کا بھی خیال رکھتے۔ اس مقام پر آپ اپنا شعر پڑھتے ہیں۔

میازار موری کہ دانہ کش است   کہ جان دارد و جان شیریں خوش است

جو مبتدی یا سالک ان کے گروہ میں شامل ہونے کا خواستگار ہوتا، تو سب سے پہلے اپنے احوال کی اصلاح کرتا، قرآن حفظ کرتا، کیونکہ حلقہ زیدیان میں قرآن حفظ کرنا ہر ایک طلبگار پر واجب تھا۔ تلقین وارشاد کا عمل اس کے بعد ہی شروع کیا جاتا تھا۔ یہ حضرات زیادہ تر خلوت نشیں رہتے، جنگلوں کی سبزیوں پر گزارہ کرتے۔ جنگل کے کسی جانور کو ایذا نہ دیتے۔ قرآن ان کا وظیفہ ہوتا۔ ہر ایک دن رات میں قرآن کا ختم کرتا۔ زیدیان میں شامل ہونے والا تجرد اختیار کر لیتا اور ٹاٹ یعنی صوف کو لباس پہنتا۔ رزق کیلئے دست سوال دراز نہ کرتا۔ فتوح ملتیں تو غربا ومساکین میں بانٹ دیتا۔ نہایت سلیم القلب تھے یہاں تک کہ اگر کوئی پکڑ کر مزدوری کراتا تو خاموشی سے ان کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے۔ (21)

تمام خانوادوں کا آپ نے تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ تمام خانوادوں کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں چشتیہ سلسلے کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ چشتیہ کے آغاز وارتقاء کا مختصر ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہاں اس سلسلے کی سیرت، خرقہ خلافت اور شرائط بیعت اور اذکار واشغال اگرچہ صوفیہ کی شطحیات کی توجیحات کتاب کے آخری باب میں بڑے مدلّل انداز میں تحریر کی گئی ہیں۔ جنکا مطالعہ دلچسپی کا حامل ہے۔ خانوادۂ چشتیاں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سلسلہ چشتیہ کے بانی شیخ ابو اسحاق چشتی ہیں جو کہ شیخ ممشاد علو دینوری کے مرید وخلیفہ تھے اور آپ کے ارشاد پر، شام سے خراسان کے شہر چشت تشریف لے گئے۔ شامی سے چشتی اپنے شیخ کے ارشاد پر کہلائے۔ چشت میں قیام کے دوران خواجہ احمد چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ ناصر الدّین ابو یوسف چشتی اور خواجہ قطب الدین چشتی، سلسلہ چشتیہ میں داخل ہو کر خواجگان چشت کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ان شیوخ سے وابستہ مرید چشتی کہلانے لگے۔ برّصغیر میں بھی، خواجہ معین الدّین چشتی، خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدّین مسعود، خواجہ نظام الدّین اولیاء اور خواجہ نصیر الدّین چراغ دھلوی پنج خواجگان چشت کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔ چشتیہ سلسلے سے وابستہ حضرات شہر وقریہ

میں گھر بناتے ہیں۔مخلوقِ خدا کو دعوتِ حق دیتے ہیں۔راہ سے بھٹکے لوگوں کو صراطِ مستقیم پر چلاتے ہیں۔

دنیا اور اسکی طلب سے دور رہتے ہیں۔ریاضت وعبادت کو اختیار کرتے ہیں۔فقر وفاقہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔مساکین اور غرباء میں رہنا پسند کرتے ہیں اور انہیں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور کھاتے پیتے ہیں۔سماع اور اھلِ سماع کو دوست رکھتے ہیں۔اپنے مشائخ کا عرُس منعقد کرتے ہیں۔صاحبانِ ثروت سے زیادہ مساکین کی عزت کرتے ہیں۔اپنے مہمانوں اور مسافروں کے ہاتھ خود دھلاتے ہیں اور کھانے پیش کرتے ہیں۔اہل ثروت کو غریب پر ترجیح نہیں دیتے۔افطار میں لذیذ کھانے اور اشیاء کا استعمال کرتے ہیں۔شیوخ کی نظر التفات سے مرید کے دل میں دنیا کی محبت سرد پڑ جاتی ہے۔یہ حضرات مرید کو توبہ کی طرف بہت جلد لے جاتے ہیں فرماتے ہیں:

کسی کز مریدانِ چشتی بود در دسیرتی از بہشتی بود
بظاہر شریعت بباطن حضور جز بن مصر دو سیومیش ز شتی بود
بہر کس بہ اخلاق ساز ندوبس اگر مسجدی یا کنشتی بود
بطوفانِ بلویٰ جہاں را چو نوح دمِ جود شان ھم چوکشتی بود
کہ اشرف دریں خاندانِ شگرف صفاء بیشتر ، کم درشتی بود

ترجمہ:1۔جوکوئی سلسلہ چشتیہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتا ہے اسمیں جنتیوں جیسی سیرت پیدا ہوجاتی ہے۔

2۔ان کا ظاہر شریعت کے مطابق ہوتا ہے اور باطن حضورِ حق میں حاضر رہتا ہے اسکے علاوہ تیسری چیز کو ناپسند کرتے ہیں۔

3۔یہ حضرات ہر شخص کے ساتھ اخلاق سے پیش آتے ہیں،وہ مسلمان ہو یا نصرانی ہو۔

4۔مصیبت کے طوفان کے وقت دنیا کیلئے،حضرت نوحؑ کی طرح ان کا وجود امن دامان عطا کرنے والی ہستی کی طرح ہوتا ہے۔

5۔اے اشرف اس خاندان چشت میں جو بہت ہی انوکھا اور پاکیزہ ہے،صفا اور درستی بہت زیادہ ہے درشتی اور سختی بہت کم ہے۔(22)

آپ کے ملفوظات اور دیگر مشائخ کے ملفوظات میں فرق،واضح طور پر نظر آتا ہے۔برجستہ اور برمحل اشعار واقعات کا حسن بڑھا دیتے ہیں۔کشف المحجوب اور دوسری کتابوں میں سلاسل تصوف کی

حقیقت اور افکار و اشغال پڑھنے کو ملتے ہیں لیکن آپ کے ارشادات پڑھتے ہی دل میں اتر جاتے ہیں۔ نسبت عتق کا فروغ، سلسلہ چشتیہ کا اختصاص ہے۔ سماع بالمزامیر اور سجدہ تعظیمی کا جواز دلائل کے ساتھ خواجگانِ چشت کا خاصہ ہے۔ بزرگان چشتیہ میں نسبت علوی کا ظہور ہے اور حضرت علی سے ہی نسبت رکھتا ہے۔ صاحبِ ملفوظات نے اس مقام پر بڑی خوبصورت بات کہی ہے فرماتے ہیں:

صوفیاء کے جملہ سلاسل حضرت علی کی ذات اقدس سے جڑے ہوئے ہیں۔ آپ کے چار خلفاء تھے، حضرت امام حسن، امام حسین، کمیل بن زیاد اور امام حسن بصری۔ تمام خانوادوں کا اجراء انہیں کے توسط سے ہوا ہے اور برّصغیر کے سلاسل اربعہ چشتیہ ،سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ بھی انہیں خانوادوں سے جاری ہوتے ہیں۔ بعض ائمہ اھل سنت کے ذریعے اور بعض امام حسن بصری کی وساطت سے، حضرت کمیل سے نسبت جوڑتے ہیں۔ اہل یمن کمیل بن زیادہ (م82ھ) کے وسیلہ سے حضرت علی سے نسبت کا اظہار کرتے ہیں۔ دیارِ مغرب اور اطراف کے بعض سلاسل، اپنے آپ کو خلفاء راشدین سے منسوب کرتے ہیں جیسا کہ شیخ ابوالحسن شاذلی (م656ھ) کا سلسلہ امام حسین سے ملتا ہے۔ مداریہ اور نقشبندیہ حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دونوں سے اپنی نسبت جوڑتے ہیں۔ مثلاً خواجہ ابوعلی فارمدی (م511ھ) سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ ابوالحسن خرقانی کے مرید تھے اور حضرت ابوالقاسم گرگانی سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا تھا اور وہ ابوعلی عثمان (م373ھ) کے مرید تھے۔ انہیں ابو علی کاتب (م340ھ) انہیں ابوعلی رود باری (م322ھ) انہیں خواجہ جنید بغدادی (م297ھ) انہیں شیخ سری سقطی (م253ھ) انہیں شیخ معروف کرخی (م200ھ) انہیں شیخ داؤد طائی (م165ھ) انہیں شیخ حبیب عجمی (م156ھ) انہیں خواجہ حسن بصری (م110ھ) اور آپ حضرت علیؓ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس طرح جملہ سلاسل تصوف حضرت علی کی ذات پر منتہی ہوتے ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے اپنے ملفوظات میں 39 سلاسل کا ذکر کیا ہے، ان میں 35 سلاسل کو حضرت علیؓ کی ذات سے جوڑا ہے، 4 سلسلے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتے ہیں۔ 3 حضرت خضر، 3 حضرت عمرؓ، ایک حضرت الیاسؑ اور ایک سلسلہ حضرت ابوالدردا کی وساطت سے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ملتا ہے۔ایک سلسلہ اویسہ ہے جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں سے ملتا ہے۔(23)

امام حسن بصری (21-110ھ) کو تمام مشائخ طریقت اپنا پیشوا مانتے ہیں اور ان کے اوصافِ حمیدہ سے اپنے ارشادات کو مزیّن کرتے ہیں سید اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی جملہ مشائخ کی طرح لطائف اشرفی میں انہیں حضرت علیؓ کا شاگرد اور مرید وخلیفہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آپ خوان مصطفی ﷺ کے پروردہ اور دستر خوانِ مرتقوی سے بہرہ ور تھے۔آپ کی والدہ ام المومنین حضرت امّ سلمہؓ کی کنیز تھیں۔آپ کی والدہ ماجدہ ایک دن کام میں مشغول تھیں کہ آپ رونے لگ گئے۔حضرت ام سلمہؓ نے اپنا پستان مبارک خواجہ حسن بصری کے منہ میں دیا،شفقت ومحبت کے باعث چند قطرے دودھ کے نکلے اور آپ کے منہ میں چلے گئے۔یہ تمام فیوض وبرکات اور عظمت انہیں چند قطرات شیر کا فیضان ہے۔(24)

یہ روایت جمہور صوفیاء اور مشائخ طریقت نے اپنے ارشادات اور تصانیف میں بیان کی ہے یہاں تک کہ مولانا روم نے بھی اپنی مثنوی میں اس کا تذکرہ ان اشعار میں کیا ہے۔

نہاد اندر نہاد آن چشم شیر   زِلطفِ پاک آن دانائی تقدیر
کہ ہر کو قطرۂ ازوی چشیدہ   زِشیرش بر سرِ شیررسیدہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف کرم سے ان کے دودھ میں ایک ایسا وجود ڈال دیا جو بالکل پاک ہے۔کہ اگر کوئی ایک قطرہ بھی اس سے چکھ لے تو منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔(25) لیکن یہ روایت کہ ایک دن خواجہ حسن بصری نے عہد طفلی میں اس کوزہ سے پانی پی لیا جو آنحضور ﷺ کا تھا۔جب رسول ﷺ،اُم سلمہؓ کے ہاں تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ اس کوزہ سے پانی کس نے پیا ہے؟ حضرت اُم سلمہؓ نے بتایا کہ حسنؓ نے پیا ہے۔تب آپ ﷺ نے فرمایا: میرا علم اس میں سرایت کر جائے گا۔(26)

اگلی روایت یہ ہے کہ ایک دن اُمّ المومنین،اُم سلمہؓ نے حسن کو آپ ﷺ کی آغوش میں دے دیا۔آپ ﷺ نے ازراہِ شفقت حَسن کو گود میں لے کر دُعا فرمائی۔خواجہ حسن بصری کے تمام آثار اس دعائے خیر کا نتیجہ ہیں۔(27) اسی کتاب میں یہ قول بھی موجود ہے کہ:

ایک روز آنحضور ﷺ وضو فرما رہے تھے اور آپ ﷺ نے اپنی دستار مبارک اپنے زانوئے اطہر پر رکھ دی۔ حسن کا عہد طفولیت تھا۔ کھیلتے ہوئے آئے اور دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ صحابہ کرام نے فرمایا، یہ کیا کر رہے ہو؟ اے لڑکے بے ادبی نہ کرو۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: رہنے دو، اسے کچھ نہ کہو، یہ ایک بہت بڑا شخص بنے گا۔ اپنے عہد کا مقتدا اور پیشواہ ہوگا۔ میری دستارِ ولایت اس کے سر پر ٹھیک رہے گی۔ اس کے بعد سیّد اشرف جہانگیر سمنانی نے یہ قطعہ پڑھا:

نگویم آنکہ بے ادبی است کزوی ادیب روزگار خویش گشتہ
ندستارش بدست بی حکم کہ دستِ باطنش در پیش گشتہ[28]

ترجمہ: میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے بے ادبی کی بلکہ اپنی مئودبانہ خصلت کا مظاھرہ کیا ہے۔ دستار بغیر حکم کے نہیں اٹھائی تھی بلکہ اس وقت ان کا اندرونی ہاتھ، ان کے سامنے آ گیا تھا۔

متذکرہ بالا اقتباسات کو بنظرِ غور دیکھیں تو حقیقت کے برعکس نظر آتے ہیں۔ کیونکہ خواجہ حسن بصری آنحضور ﷺ کے وصال (11ھ) کے 10 سال بعد 21 ھجری میں پیدا ہوئے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ امام حسن بصری، حضرت عمرؓ کی شہادت سے 2 سال قبل پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے خطبات بطور خلیفہ سنتے تھے اور اس وقت آپ کی عمر 14 یا 15 برس تھی۔ جنگ صفین کے وقت آپ مدینہ شریف تھے اور مستند فقیہ اور جیّد عالم مانے جاتے تھے۔ مکہ تشریف لائے تو اہل مکہ نے آپ سے احادیث سنیں۔ سماعت کرنے والوں میں مجاہد، عطا، طاؤس اور عمرو بن شعیب بھی شامل تھے۔

حضرت ابوھریرہؓ (م58ھ) عمران بن صفین (م52) معقل بن یسار (م59ھ) عبداللہ بن مغفل (م57ھ) عبداللہ بن عمر (م74ھ) عبداللہ بن عباس (م68ھ) اورانس بن مالک (م93ھ) رضوان اللہ علیھم اجمعین سے روایت کرتے تھے۔[29] آپ کا نام حسن، حضرت عمرؓ نے رکھا تھا اور دُعا فرمائی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ بوجھ عطا کر اور انہیں لوگوں میں محبوب بنا دے۔[30] ان حوالہ جات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ کی پیدائش آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوئی۔ آپ نے آنحضور ﷺ کا زمانہ نہیں پایا البتہ خلفاءِ راشدین میں سے حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کا زمانہ پایا اور یہاں تک کہ آپ نے 70 بدری صحابہ کی

زیارت کی الکلاباذی (م380ھ) ابونصرسراج الطوسی (م 378ھ) ابو طالب مکی (م386ھ) ابن الندیم (م438ھ) شہاب الدین سہروردی (م632ء) جیسے اکابرین متفق ہیں کہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا اور بدری صحابہ کی زیارت کی۔(31)

مشائخ طریقت نے آپ کو تابعی کا درجہ دیا ہے لیکن ابن تیمیہ (م725ھ) امام سخاوی (م902ھ) ابن حجر عسقلانی (م852ھ) ملّاعلی قاری (م1014ھ) ابن دحیہ (م632ھ) ابن الصلاح (م623ھ) حافظ دمیاطی (م705ھ) امام ذہبی (م748ھ) شیخ الاسلام ہکاری (م763ھ) ابوحیّان اندلسی (م752ھ) امام علائی (م761ھ) امام مغلطائی (م762ھ) امام الملقن (م802ھ) الانباسی (م899ھ) برہان حلبی (م841ھ) اور ابن ناصر الدّین (م842ھ) نے اتصال خرقہ کی سند کو یکسر مسترد کر دیا ہے بلکہ بعض محدثین تو70 بدری صحابہ سے ملاقات کے بھی انکاری ہیں۔ امام مسلم سعید بن مسیّب کی روایت کردہ حدیث کو خواجہ حسن بصری نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ میں نے کسی بدری صحابی کو دیکھا ہے۔(32) امام نووی نے تائید کرتے ہوئے لکھا ہے چونکہ حضرت علی بدری صحابہ میں شامل تھے، اس لئے اتّصال خرقہ کی حضرت امام حسن بصری کی سند، حضرت علی سے درست نہیں۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی بجائے آپ نے حضرت انس بن مالکؓ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔(33)

سب سے پہلے امام جلال الدّین سیوطی نے، اتحاف الفرقۃ بوصل الخرقہ کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں ابن تیمیہ سمیت تمام محدّثین کے اعتراضات کا مدّلل جواب دیا اور اتصال خرقہ سمیت امام حسن بصری کو حضرت علیؓ کا شاگرد اور خلیفہ ثابت کیا۔ شیخ فخر الدّین نظامی چشتی دہلوی (م1199ھ) نے فخر الحسن لکھ کر ایک طرف شاہ ولی اللہ دہلوی کے اس مئوقف کی تردید کی کہ صوفیاء کے نزدیک تو اتصالِ خرقہ کی روایت درست مگر احمد قشاشی نے عقد العزیز فی سلاسل اھل التوحید من اھلِ السلوک میں امام حسن بصری (م110ھ) کی ملاقات کو صغرسنی کی بنا پر مشکوک قرار یا ہے۔(34) تو دوسری طرف ٹھوس دلائل دے کر جملہ معترضین کے اعتراضات کا جواب دے کر اس دروازے کو بند کر دیا ہے۔ بہر حال سیّد اشرف جہانگیر سمنانی کے ملفوظات میں امام حسن بصری کی مذکورہ روایت کے علاوہ کوئی ایسی روایت یا ارشاد ایسا نظر نہیں آتا جو مبصّرین و محدّثین کے معیار پر پورا نہ اترتا ہو۔

ملفوظات میں عام طور پر الحاقات پائے جاتے ہیں۔ یہ مرتب کرنے والے کی غلطی ہوسکتی ہے یا

تدلیس کا نتیجہ بھی ہوسکتا ہے۔صورت جو بھی ہو اگر عبارت یا واقعہ تاریخی معیار پر پورا نہ اترتا ہو تو تصوف کے مخالفین ضرور تنقید کا نشانہ بنائیں گے۔غلام احمد پرویز نے تصوف کی حقیقت میں جملہ صوفیاء کے ملفوظات وارشادات میں سے ایسی عبارات کی نہ صرف نشاندہی کی ہے بلکہ تصوف اور صوفیاء کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے ۔حضرت ابراہیم بن ادھم (م161ھ) بایزید بسطامی (م261ھ) جنید بغدادی (م297ھ) ذوالنون مصری (م245ھ) سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی (م561ھ) سید علی ہجویری (م465ھ) مولانا رومی (م672ھ) اور بالخصوص مشائخ چشت کے متذکرہ بالا ملفوظات پر سخت اعتراضات اٹھائے ہیں۔یہ اعتراضات تصوف کی حقیقت کے ساتویں باب کے صفحہ نمبر 115 تا 140 دیکھے جاسکتے ہیں۔ان ملفوظات میں سے راحت القلوب جو کہ بابا فریدالدّین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کے ملفوظات ہیں اور مرتب کرنے والے خواجہ نظام الدّین اولیاء ہیں۔ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

"ایک روز حضرت رسول اللہ ﷺ مع اصحاب ایک جا متمکن تھے۔حضرت معاویہؓ یزید کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے گزرے رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا کہ سبحان اللہ! دوزخی بہشتی کے کندھے پر سوار ہے۔یہ ارشاد والا حضرت علیؓ نے سنا۔دریافت کیا۔یارسول اللہ ﷺ! فرمایئے کہ پسر معاویہؓ کیونکر دوزخی ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے علیؓ! یزید بدبخت وہ ہے جو میرے حسنؓ وحسینؓ اور ان کی تمام اولاد کو شہید کرادے گا۔امیر المومنین حضرت علیؓ اٹھے اور تلوار میان سے نکالی اور چاہا کہ یزید پلید کو مار ڈالیں۔آنحضرت ﷺ مانع ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ حکم باری تعالیٰ کا ایسا ہی ہے۔مخالفت تقدیر کی نہ کرنی چاہیئے۔[35]

مذکورہ عبارت کو تاریخی حوالے سے دیکھیں تو یزید کی پیدائش ہی سرکارِ دوعالم ﷺ کے وصال کے 15 سال بعد 26 ہجری میں ہوتی ہے گویا کہ بابا فریدالدّین مسعود گنج شکر کے ملفوظات میں یہ واقعہ الحاقی ہے کیونکہ آپ متبحر عالم محدث اور بہت بڑے فقیہ تھے ان سے ایسے ملفوظ کی توقع نہیں کی جاسکتی۔یہ عبارت الحاقی ہے یا کسی تصوف مخالف کی قارستانی اور تدلیس کا نتیجہ ہے۔ایسی کو بِنابنا کر غلام احمد پرویز جیسے منکرینِ تصوف نے اعتراضات اٹھائے ہیں۔ایسے ہی واقعات دیگر سلاسل تصوف میں بھی پڑھنے کو ملتے ہیں۔ایسا ہی ایک اقتباس سلسلہ نقشبندیہ کے پیشوا حضرت بایزید بسطامی کی نسبتِ طریقت کا جائزہ

لیتے ہیں۔

نقشبندیہ سلسلہ اپنی نسبت بایزید بسطامی کے ذریعے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جوڑتا ہے ۔ تمام تذکرہ نگاروں کی طرح سیّد اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی اپنے ملفوظات میں ایسا ہی لکھا ہے کہ سلطان العارفین بایزید بسطامی نے ایک سو تیرہ مشائخ عظام کی خدمت کی ۔ ان میں ایک حضرت امام جعفر صادقؒ ہیں (80 : 148)۔ سلطان العارفین نے 150 برس طویل عمر پائی اور آپ نے تربیت کمال حضرت حبیب عجمی (م150 ھ) سے پائی ۔[36] سیّد گیسودار نے اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں فرمایا ہے کہ بایزید بسطامی امام جعفر صادقؒ کی فقہ پر عمل کرتے تھے۔آپ نے 130 شیوخ کی خدمت کی لیکن مقصود کو نہ پہنچے، بالآخر امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں پہنچے اور 12 سال آپ کی خدمت میں رہے اور فراشی کا فریضہ انجام دیا۔ایک روز امام جعفر صادقؒ نے فرمایا کہ طاق سے سجادہ اٹھا کر لاؤ، بایزید بسطامی نے عرض کی طاق کہاں ہے۔آپ نے فرمایا کہ 12 برس آپ کو یہاں رہتے ہوئے گزر گئے لیکن آپ کو یہ علم نہیں کہ طاق کہاں ہے؟ بایزید نے جواب دیا کہ جو آپ جیسی ہستی کی خدمت میں رہ رہا ہو اُسے اِدھر اُدھر دیکھنے کی کہاں فرصت ہوگی ۔ بایزید کا جواب آپ کو پسند آیا، امام جعفر صادقؒ نے توجہ فرمائی اور منزل مقصود تک پہنچا دیا۔[37]

سیّد اشرف جہانگیر سمنانی اور سید گیسودراز کے ان ارشادات کو اگر بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے یا حضرت بایزید بسطامی نے صحبت ظاہری کی بجائے باطنی طور پر استفادہ اور خرقہ خلافت حاصل کیا ہے کیونکہ امام جعفر صادقؒ کا سن ولادت 80 اور بعض کے نزدیک 83 ھجری ہے اور سنِ وفات متفقہ طور پر 148 ھجری ہے ۔ بایزید بسطامی کا سنِ ولادت 128 ھ ہے ۔ اگر سیّد اشرف جہانگیر سمنانی کے ارشاد کو یعنی آپ نے 150 برس کی طویل عمر پائی کو تسلیم کر لیں تو سن ولادت 111 ھ بنتا ہے۔سنِ شعور کی عمر سے 20 برس ہوتی ہے اور بعض تذکرہ نگاروں کے نزدیک 20 برس کی عمر میں والدہ کی اجازت سے گھر سے نکلے ۔ لطائف اشرفی میں عمر کا تذکرہ نہیں البتہ یہ موجود ہے کہ آپ کی توبہ کا واقعہ اس طرح ہے کہ آپ کی والدہ نے آپ کو قرآن مجید پڑھنے کیلئے بھیجا۔ایک دن سورۃ لقمان پڑھ رہے تھے، جب اس آیت کریمہ: اِنِ اشکر لی ولوالدیک (سورۃ لقمٰن :14) پر پہنچے تو اپنے استاد

محترم سے اس آیت کے معنی پوچھے، استاد محترم نے فرمایا "حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا شکرادا کرو اور اپنے ماں باپ کا۔ان معانی نے آپ کے دل پر بہت اثر کیا۔ بستہ رکھا اور گھر واپس آ گئے۔ والدہ نے پوچھا! گھر کیسے آئے ہو؟ فرمایا کہ میں نے قرآن مجید میں یہ آیت پڑھی ہے اور استاد نے یہ معنی بتائے ہیں۔ میں آپ کے پاس اس نیت سے آیا ہوں کہ مجھ سے دو مخدوموں کی خدمت نہیں ہوسکتی یا تو آپ حق تعالیٰ سے مجھے مانگ لیں کہ صرف آپ کی خدمت کروں یا مجھے حق تعالیٰ کو سونپ دیں کہ اسکی اطاعت کروں۔آپ کی والدہ نے فرمایا کہ میں تجھے حق تعالیٰ کے حوالے کرتی ہوں۔آپ بسطام سے نکلے اور راہِ سلوک پر چل پڑے اور پھر 113 شیوخ کی خدمت میں حاضری دی اوران میں سے ایک امام جعفر صادقؒ بھی تھے۔(38)

مذکورہ اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ گھر چھوڑتے وقت سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے۔ 113 یا 130،شیوخ کی خدمت میں بھی رہے اور 12 برس امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں بھی گزارے۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ جب آپ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت 136 سنِ ھجری تھا۔ اگر بایزید بسطامی کا سنِ ولادت 128ھ ہو تو بایزید بسطامی کی عمر 8 برس بنتی ہے اور یہ عمر سنِ شعور کی عمر نہیں لگتی اور وہ بھی اس طرح کہ 130 شیوخ کی صحبت میں رہنے کے بعد وہاں پہنچے۔ بایزید بسطامی کا سنِ وفات 261ھ بنتا ہے اگر عمر 150 برس تسلیم کر لیں تو سنِ ولادت 111 سنِ ھجری بنتا ہے۔ بارہ برس جو آپ نے امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں گزارے وہ 111 میں جمع کر دیں 111+12=123 بنتا ہے۔اس حساب سے بھی آپ کی عمر اس وقت 15 برس بنتی ہے جب آپ امام جعفر صادق کی خدمت میں پہنچے ہیں۔15 برس کی عمر میں 113 یا 130 شیوخ کی خدمت میں رہ کر فیض و برکات حاصل کرنا اور پھر امام جعفر صادق کی خدمت میں 12 برس گزار کر خرقہ خلافت حاصل کرنا قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا۔

امام بخاری، امام محسن الامین، امام نووی اور ابن خلقان کے نزدیک آپ 17 ربیع الاوّل 80ھ کو پیدا ہوئے۔(39) الکلینی اور شیخ مفید کے قول کے مطابق آپ 17 ربیع الاوّل 83ھ ہے۔ایک قول کے مطابق آپ کی ولادت 80ھ سے پہلے ہوئی۔امام جعفر صادق کی عمر 14 برس تھی جب امام زین العابدین (75ھ) نے وفات پائی۔امام زین العابدین کا سنِ وفات 75ھ ہے اگر آپ کی عمر 14 سال ہو تو آپ کا سنِ ولادت 61ھ بنتا ہے۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ اپنے والد امام باقرؒ کی وفات کے وقت 34 سال کے تھے اور امام باقر کا سنِ وفات 114ھ بنتا ہے۔اس طرح آپ کا سنِ ولادت 80ھ بنتا ہے اور

جمہور علماء نے اسی کو درست تسلیم کیا ہے۔(40)

درست یہی ہے کہ آپ نے باطنی وروحانی طریقے سے خرقہ خلافت پایا جس طرح خواجہ ابوالحسن خرقانی نے بایزید بسطامی سے پایا ہے۔ کیونکہ بایزید بسطامی کی وفات کے بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے ہیں۔ بایزید بسطامی کا سنِ وفات 261ھ اور خواجہ ابوالحسن خرقانی کا 425ھ ہے۔ اس طرح 164 برس کا درمیانی تفاوت بنتا ہے۔ مشائخ طریقت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانی نے بایزید بسطامی سے باطنی طور پر خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اسی طرح بایزید بسطامی نے بھی امام جعفر صادقؒ سے خلافت، باطنی طریقے سے حاصل کی تھی۔ حقیقی تربیت حبیب عجمی (م156ھ) پائی(41) اور خوجہ ابوالحسن خرقانی نے شیخ ابوالعباس قصاب آآملی سے بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔(42)

صوفیاء کے ملفوظات میں اس قسم کے شبہات عموماً دیکھنے کو ملتے ہیں ایسا ابہام امام جعفر صادقؒ اور امام اعظم ابوحنیفہ کے درمیان موجود ہے۔ سید گیسودراز کے ارشاد کے مطابق، آپ کی والدہ ، امام جعفر صادقؒ کو وضو کرایا کرتی تھیں اور جو پانی بچ رہتا اسے نوش کرلیتیں۔ اس پانی کی برکت سے امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے(43) بنظرِ تحقیق دیکھا جائے تو امام جعفر صادق اور امام ابوحنیفہ، دونوں کا سنِ ولادت 80ھ ہے۔ اس اعتبار سے یہ عبارت الحاقی معلوم ہوتی ہے۔ ابن خلکان نے بروایت اوجزالمسالک، امام اعظم کا سنِ ولادت 71ھ لکھا ہے۔ اگر ابن خلکان کی تحقیق کو مدّ نظر رکھا جائے تو امام ابوحنیفہؒ، امام جعفر صادقؒ سے عمر میں 9 سال بڑے تھے یعنی آپ کی پیدائش پہلے ہوئی، اس طرح سید گیسودراز کی ذاتِ اقدس سے اس قول کو منسوب کیا گیا ہے اور یہ عبارت الحاقی ہے۔

تصوف کے سلسلوں میں خرقہ، کُلاہ اوراد و وظائف اور بیعت وخلافت کا طریقہ ایک دوسرے سے منفرد رہا ہے۔ خرقہ خلافت اور سجادہ نشینی کا رواج اگرچہ حضرت جنید بغدادیؒ سے شروع ہوا ہے اور اس کے خلیفہ پہلے سجادہ نشیں مانے جاتے ہیں لیکن مشائخِ طریقت نے خرقہ کی نسبت کو آنحضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ جوڑا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت شہاب الدّین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف لائقِ مطالعہ ہے۔ خرقہِ خلافت کی تاریخ اور آغاز وارتقاء میں تصوف کے تمام سلاسل میں روایات موجود ہیں لیکن سلسلہِ چشتیہ میں خرقہِ معراجیہ کی روایت سے منفرد ہے اور حضرت نظام الدّین اولیاء کے حوالے سے فوائدالفواد میں پڑھنے کو ملتی ہے۔(44) لطائف اشرفی میں روایت منفرد اور دلچسپ ہے۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی فرماتے ہیں:

''خرقہ عاشقوں کی علامت ہے اور فاسقوں کیلئے ھیبت ہے۔خرقہ پہننا رسول ﷺ کی سنت ہے اور تمام مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت جبرائیل بارگاہِ حمدیت سے ایک خرقہ لائے اور بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔آنحضور ﷺ نے اسے چار ٹکڑوں میں تقسیم کر کے ایک ٹکڑا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو، ایک حضرت عمر فاروقؓ کو ایک حضرت عثمان غنیؓ اور ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا کیا اور فرمایا کہ انہیں سنبھال کر رکھنا اور جب طلب کروں تو اس وقت مجھے دے دینا۔ایک دن آپ ﷺ نے اپنے چاروں خلفاء سے خرقہ کے ٹکڑے طلب فرمائے۔حضرت علیؓ کے علاوہ کوئی پیش نہ کر سکا۔آپ ﷺ نے فرمایا: اے علی تمہیں مبارک ہو۔یہ خرقہ خود پہنو اور دوسروں کو بھی پہناؤ۔''(45)

آپ کے ملفوظات میں خرقہ مشائخ کی حقیقت کے علاوہ خرقہ کی اقسام اور ان کی خصوصیات کا باب بہت دلچسپ ہے،فرماتے ہیں:

خرقہ سات قسم کا ہوتا ہے: صوف،ملمعہ،مرقع،کبود،سیاہ،سفید،اور ھزار میخی اس کے بعد خرقہ کی حقیقت وخصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱)صوف: صوف کا خرقہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے پہنا۔حضرت آدمؑ جب بہشت سے دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ایک گوسفند،ان کے پاس بھیجی۔اس کے بالوں کو حضرت حوّا نے کاٹا اور حضرت آدمؑ نے اس اون کو بُن کر خرقہ بنایا اور اسے پہنا۔صوفی کی نسبت اس صوف سے کامل ہے۔ صوف کے تمام حروف اپنے اندر معانی رکھتے ہیں: جو اُن معانی کو جانتا ہے وہی اسے پہننے کا مستحق ہے۔ ص سے مراد صبر، و سے وفائے عہد، ف سے فقر ہے۔

(۲)خرقہ ملمع: یہ خرقہ چمکدار اور بھڑکیلا ہوتا ہے۔پہننے والے سالک ومبتدی پر لازم ہے کہ اسے پہن کر اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور اس کے حروف کے معانی سے خود کو موصوف بنائے اور اگر کوئی کامل اسے پہنے تو اپنی بلند ہمتی کے سبب اسے چاہیے کہ ملک وملکوت سے آگے گزر جائے کہ وہ راہِ سلوک کی تمام منازل سے کامیابی کے ساتھ گزر چکا ہے۔

(۳)خرقہ مرقع: پیوند دار خرقہ ہے۔پہننے والا یہ محسوس کرے کہ مجھے حضرت آدم سے میراث میں ملا ہے اور اس کے حروف کے وصف سے خود کو متصف کرے۔اگر صوفی خرقہ کے وصف سے متصف ہو جائے تو روزِ قیامت اولیاء اللہ کے ساتھ ہوگا اور حضرات انبیاء کی ہمنشینی میسر آئے گی۔

(۴) خرقہ کبود: نیلے رنگ کا خرقہ ہے۔ اس خرقہ کو پہننے والے پر لازم ہے کہ ایک ساعت بھی آرام سے نہ بیٹھے۔ اگر کوئی رنج والم پہنچے تو راضی برضا رہے۔ نفس کو مکروفریب سے آزاد رکھے۔ اپنی استعداد کے ظرف کو نیلے رنگ سے بھر لے تا کہ حوادث کی صورت میں اسکی یک رنگی پر حرف نہ آئے۔

(۵) خرقہ سیاہ: بھوک پیاس برداشت کرنے والے فاقہ کش صوفی کیلئے نہایت مناسب ہے۔ وہ سالک جس نے مجاہدہ وریاضت سے اپنے نفس کا تزکیہ اور عبادت کی تلوار سے تن کو قتل کر دیا ہو اور تمام دنیا پر فنا کی چار تکبیریں پڑھ چکا ہے۔ اس کیلئے نہایت مناسب ہے۔

(۶) خرقہ سفید: یہ خرقہ پہننے والا صوفی تمام گناہوں سے تائب ہوتا ہے۔ اس کا دل آئینہ کی مانند شفاف ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

(۷) خرقہ ھزار میخی: اس خرقہ کو پہننے والے پر واجب ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت کی ضربات سے اپنے وجود کو پاش پاش کر دے اور فقر و فاقہ اختیار کرے۔(46)

خرقہ کی اقسام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: خرقہ کی اقسام اگرچہ یہی سات ہیں لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ مشائخ طریقت نے اپنی پسند کے خرقہ ایجاد کر لیے ہیں اور اب تو ان کا شمار ممکن نہیں یہاں تک کہ مشائخِ چشت میں بھی یہ رواج پا چکے ہیں۔

> لیکن اس فقیر نے خواجہ قطب الدّین کی خانقاہ میں موجود اس خرقہ کو اختیار کیا جو شیخ احمد بن سلطان سے منسوب تھا، فقیر نے وہی پہنا اور اپنے خلفاء کو بھی وہی پہنایا اور امید کرتا ہوں کہ میرے خاندان میں یہی خرقہ مروّج رہے گا۔ آپ نے نورالدّین بن سید اسد الملۃ ظفرآباد جن کا سلسلہ شیخ رکن الدین عالم قریشی علیہ الارحمۃ سے ملتا ہے، انہیں وہ خرقہ چشت عطا کیا جو خود پہن رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا جو کوئی خوجی یا بالاپوش خرقہ پسند کرے تو اسے چاہیئے کہ اپنے وجود کا پیرہن عشق الٰہی سے چاک کرے۔ شریعت و طریقت کی پابندیوں کو ملحوظ رکھے۔ اوامر ونواھی سے باہر نہ نکلے۔ راز کو پوشیدہ رکھنے والا بنے، لوگوں کی معاونت کرے اور خرقہ کی آستین سے اپنے برادران طریقت کی عیب پوشی کرے اور سجادہ پر ہمت سے بیٹھے۔ آپ نے فرمایا کہ خواجہ حسن بصری نے، حضرت علی سے طریقت میں ''الحق'' کے معانی دریافت کیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: الحق، مخلوق سے ترکِ سوال اور حق کی طمع رکھنے کی شہادت ہے۔ پھر خرقہ کے بارے

میں پوچھا، فرمایا: خرقہ شہادت ہے اس اَمر کی فقیر فاقہ میں ثابت قدم رہے۔ پھر مصلّی
کے معنی پوچھے تو فرمایا: یہ شہادت ہے اس امر کی کہ فقیر کو حق تعالیٰ سے وصول حاصل ہو
گیا ہے۔(47)

اس عبارت میں اس امر کی شہادت بھی موجود ہے کہ حضرت امام حسن بصری نے حضرت علی سے استفادہ کیا ہے اور سید اشرف جہانگیر سمنانی بھی اتصال خرقہ کے حامیوں میں شامل ہیں۔

سیّد اشرف جہانگیر فرماتے ہیں کہ: مشائخ طریقت میں پانچ قسم کا خرقہ مروّج ہے۔

خرقہ ارادت، خرقہ محبت، خرقہ تبرک، خرقہ صحبت اور خرقہ حقیقی

(۱) خرقہ ارادت: بوقتِ بیعت، شیخ اپنے مرید کو عطا کرتا ہے اور اسے توبہ کی تلقین کرتا ہے اور اصلاح و تقویٰ کے لباس سے آراستہ کرتا ہے۔

(۲) خرقہ محبت: ارادت کے بعد مرید کو جامہ یا خرقہ پہناتا ہے، اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو درویش ایک عرصہ تک اکٹھے رہتے ہیں اور جدائی کے وقت ایک دوسرے کو خرقہ محبت پیش کرتے ہیں۔ جیسے شیخ بدیع الدّین المعروف بہ شاہ مدار کو حضرت اشرف جہانگیر سمنانی نے عطا فرمایا تھا۔

(۳) خرقہ تبرک: ایک دوسرے کو اس کے عقیدے کے اقتضا کے طور پر دیا جاتا ہے۔ یعنی ایک شیخ دوسرے شیخ کے مرید کو عطا کرتا ہے۔

(۴) خرقہ صحبت: ایک شیخ جب اپنے کسی مرید کو باہمت اور استعداد میں بلند محسوس کرتا ہے تو کسی دوسرے شیخ کی صحبت میں بھیج دیتا ہے جس کا مرید اس سے بلند ہوتا ہے۔ خرقہ وہ اپنے شیخ کی اجازت سے بلند مرتبہ شیخ کی صحبت میں رہ کر حاصل کرتا ہے، وہ خرقہ صحبت کہلاتا ہے۔

(۵) خرقہ حقیقی: یہ خرقہ شیخ اپنے لطف وکرم سے اپنے مرید خاص کو عطا کرتا ہے اور اس کے حوادثِ سلوک اور واردات کا کفیل اور نگہبان بن جاتا ہے۔ یہ شیخ و مرید کے درمیان ایک معاملہ ہے جسکا ہر ایک کو علم ہونا ضروری نہیں۔ اس خرقہ کا حصول محنت طلب ہوتا ہے۔(48)

خرقہ کے آداب: شیخ کا پہنایا ہوا خرقہ بے وضو نہیں پہننا چاہیے اور نہ ہی ناپاک جگہ پر خرقہ سمیت جائے۔ شیخ اگر کوئی لباس عطا کردے۔ تو اسے نہ دھوئے ہاں اگر مرشد نے اسے نہ پہنا ہو تو دھونے میں مضائقہ نہیں۔ اگر امانت کے طور پر عطا ہوئی ہو تو دِل وجان سے اس کا خیال رکھے۔ شیخ کے آستانہ اور خانقاہ میں موجود اشیاء نہ دیکھے۔ دھیان صرف شیخ کی طرف رہے اور اپنے برادران طریقت کا خیال رکھے اور ان

سے خدمت کا طلبگار نہ ہو۔

آدابِ لباس کے ضمن فرمایا کہ ایسا لباس پہنے جو تکبر اور رعونت کا سبب نہ ہو، مقامات سلوک کے مطابق لباس زیب تن کرے مبتدی کیلئے ایسا لباس منع ہے جو رعونت کا باعث بنے۔ عام لباس پہنے، باریک لباس سے اجتناب کرے۔ لوگوں کے دکھاوے کیلئے ہرگز کوئی لباس نہ پہنے۔ مختصر لباس مناسب ہے۔ تہہ بند ٹخنوں سے نیچے نہ ہو۔ موٹا اور کھردرا لباس نفس کشی کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ منزلِ مقصود کے حصول کے بعد جو لباس بھی پہنا جائے فرق نہیں پڑتا۔ حضرت ابونجیب سہروردی جو لباس میسر آتا پہن لیتے۔ مرشد کے آستانہ پر چراغ جلانا چاہیئے۔ تاکہ شیخ کا آستانہ روشن رہے۔ قوت بحال رکھنے کی حد تک فتوح قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کی تحقیق کرلے کہ فتوح دینے والے نے حلال طریقے سے اسے حاصل کیا ہے۔ زکوٰۃ، صدقہ اور غیر شرعی طریقے سے حاصل کیے ہوئے مال کو قبول نہ کرے۔ شیخ کی بارگاہ میں حاضری مقصود ہو اور راستے میں فتوح مل جائیں تو اسے شیخ کی خدمت میں پیش کردے۔ مزارات اور قبور کی حاضری میں تمام شرعی آداب ملحوظ رکھے۔ (49)

خرقہ کی حقیقت و اہمیت اور اقسام کے بیان کے ساتھ چشتیہ مشائخ کی کلاہ کا استعمال اور چشتیہ اذکار و اشغال لطائف اشرفی کا اہم حصہ ہیں: فرماتے ہیں: "مشائخ چشت میں مروّج کلاہ تاج کرامت کی حثیت رکھتی ہے جسے چشتیہ مشائخ بادشاہوں کی طرح سر پر رکھتے ہیں اور اسے مملکتِ تکبر اور گردن کشی پر تصرف سمجھتے ہیں۔

کلاہ چہارترکی: ترک معاصی، ترک مناہی، ترک ملاہی اور ترک نواہی کی علامت ہے۔ علاوہ ازیں یہ کلاہِ، ترکِ طعام، ترک کلام، ترک خواب اور عوام سے ترکِ صحبت کیطرف بھی اشارہ کرتی ہے۔ کلاہ چہار ترکی کے چاروں کنارے شریعت طریقت معرفت اور حقیقت بھی سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی اس کے چاروں گوشے محیط ہوتے ہیں۔ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت پر یعنی اس کلاہ کا ایک گوشہ شریعت پر، دوسرا طریقت پر، تیسرا معرفت پر اور چوتھا حقیقت پر محیط ہوتا ہے۔ کلاہ کے اوپر تکملہ بھی لگایا جاتا ہے۔ جس سے وجودِ واحد حق تعالیٰ کا مشاہدہ مراد ہوتا ہے۔ مشائخ چشت کی دستار کے سات بَل ہوتے ہیں۔ ہر بَل یعنی لپیٹ اس اَمر کی علامت ہوتی ہے کہ دستار پہننے والے نے سر کو ماسویٰ حق تعالیٰ

کے سب سے محفوظ کرلیا ہے۔ بعض مشائخ سات لپیٹ سے زیادہ یا کم بھی باندھتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے بھی ایسا کیا ہے۔ حضرت نظام الدّین اولیاء سات لپیٹ والا عمامہ باندھتے تھے۔(50)

حلق وقصر: مشائخ حلق وقصر کے طریقے کو آنحضور ﷺ سے منسوب کرتے ہیں اور حلق کو قصر پر فضیلت دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حاجیوں کے متعلق فرمایا کہ سر مُنڈوانے والے پر اللہ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ سیّد اشرف جہانگیر فرماتے ہیں کہ:

"جب میں مخدومی شیخ علاؤالدّین گنج نبات کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے میرا سر اپنے زانوئے اطہر پر رکھ کر اپنے دستِ مبارک سے مونڈ دیا اور میں نے اس وقت فی الفور یہ اشعار پڑھے:

مکتب خانہ توفیق از لطف جو استادِ ازل تعلیم کردیم
بہ پیش پائے تو از موئے ہستی نہادم از سر و تسلیم کردیم

ترجمہ: مکتب خانہ ازل میں توفیق الٰہی نے جب سے تعلیم دینا شروع کی تو میں نے اپنے سر سے موئے ہستی اتار کر تیرے قدموں میں ڈال دیا۔

میرے مرشد کریم نے جواباً یہ قطعہ پڑھا:

ستردہ از سرت موئیم کردم زمیم توجدا ایں جیم کردم
زھرِ موئے تو تیغ کردہ یکبار سر غیر خدا، دونیم کردم

ترجمہ: میں نے تیرے سر کے بال جو مونڈے ہیں گویا یہ تیرے میم کے میم سے جیم کو جدا کیا ہے۔ میں نے اس تلوار کے ذریعے تیرے وجود سے غیر خدا کا سر دو ٹکڑے کر دیا ہے۔

مذکورہ اشعار سے حلق وقصر کی اہمیت اور حقیقت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مبتدی کے لیے حلق سے قصر بہتر ہے۔ حضرت جنید بغدادی کے حوالے سے ارشاد کیا کہ انہوں نے فرمایا جب آپ ﷺ نے سر مُنڈوایا تو حضرت جبرائیل بارگاہِ رسالتمآب میں چار کلاہ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ کے سر مبارک پر استرا چلا کر بال اتارے اور چار ٹوپیاں آپ ﷺ کے سر مبارک پر رکھیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سر پر استرا چلایا اور کلاہِ یک ترکی ان کے

سر پر رکھی اور تکبیر کہی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے سر پر، حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے اور انہوں نے حضرت علیؓ کے سر کے بال مونڈے اور کلاہِ چار تر کی انہیں پہنائی۔ بس چار پیروں اور چار تکبیروں کی یہی حقیقت اور معنی ومقصود ہے۔(51)

آپ نے فرمایا بیعت وخرقہ اور حلق وقصر کا یہ طریقہ متقدمین میں نہ تھا۔ خرقہ دینے کا رواج اگرچہ عہدِ رسالت میں موجود تھا۔ آپ ﷺ نے اپنا خرقہ مبارک حضرت اویس قرنیؓ کو بھیجا تھا تاہم بیعت اور حلق وقصر کا یہ مروّجہ طریقہ اس وقت نہ تھا۔ بیعت وخرقہ اور سجادہ حضرت جنید بغدادی سے شروع ہوا۔ البتہ بیعت وارادت آنحضور ﷺ اور صحابہ کے درمیان ثابت ہے اور عہدِ رسالت مآب ﷺ سے لیکر ہمارے زمانے تک، ایک بزرگ سے دوسرے بزرگ تک چلی آ رہی ہے۔ ارادت کا تعلق ایسے بزرگ سے ہو جو خدا رسیدہ اور بارگاہِ الٰہی کا برگزیدہ ہو۔ ارادت وبیعت نے راہِ سلوو طریقت کو روشن کر دیا ہے۔ بیعت اس وقت تک درست نہیں جب تک شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا جائے اور شیخ مرید کے سر پر قینچی نہ چلائے اور خرقہ عطا نہ کرے۔ خرقہ سے مراد ٹوپی چادر یا کپڑے کا کوئی ٹکڑا ہے۔ مقراض کی ابتداء حضرت آدم سے ہوئی۔ ان کے ہاں جب کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو کام میں لگا دیتے۔ حضرت شث پیدا ہوئے تو وہ مخلوقِ خدا سے الگ تھلگ رہنے لگے۔ آپ نے سوچا کہ اسے کس کام میں لگایا جائے۔ اسی سوچ میں تھے کہ حضرت جبرائیل تشریف لائے اور فرمایا:

> "الشیث صوفی" شیث توصوفی ہیں۔ اس کے بعد حضرت شیث کو خلوت میں بیٹھا دیا۔ ان کی خلوت نشینی ہر طرف مشہور ہوگئی یہاں تک کہ وہ مخلوقِ خدا کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ جب لوگوں کا آنا جانا بہت بڑھ گیا تو ایک دن حضرت جبرائیل تشریف لائے اور حضرت شیث علیہ السلام کو مقراض دی اور کہا کہ اب اگر کوئی آپ سے محبت و دوستی کا خواستگار ہو تو قینچی سے اسکے سر کے بال کاٹ دو تا کہ آپ کے اور اس کے درمیان اتحاد کی علامت بن جائے۔(52) مقراض قطع کا آلہ ہے جس کے ذریعے شیخ اپنے مرید کے غیر کو کاٹ دیتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کبھی تین بال سیدھی طرف کے اور کبھی بائیں طرف کے اور کبھی پیشانی کی طرف سے کاٹ لیتے تھے۔ حضرت نظام الدّین اولیاء کے دستِ اقدس پر اگر کوئی حکمران بیعت کرتا تو آپ اسکی مونچھوں کے بال کاٹتے اور ان کے گلے میں دستار ڈالتے۔ اگر سیّد اشرف جہانگیر سمنانی کے دستِ

اقدس پر کوئی بیعت کرنے آتا تو آپ گریز کرتے اور فرماتے کہ اگر کوئی مرید تھا تو وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے اور مرشد و رہبر تھے تو وہ انبیاء کے سردار سرورِ کونین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تھی۔ کلاہِ خرقہ سوائے مرید کامل کے کسی اور کو نہ پہناتے تھے اور فرمایا کرتے کہ کلاہِ خرقہ کی قدر و قیمت وہی جانتا ہے جو شاہی خلعت کے اسرار سے واقفیت رکھتا ہو۔ (53)

ذکر واشغال: چشتیہ مشائخ بیعت کے ساتھ اپنے مریدین کو اذکار تلقین فرماتے ہیں کیونکہ وہ ذکرِ الٰہی کو نہ ختم ہونے والا رواں چشمہ سمجھتے ہیں جو نامحسوس طریقے سے خاموشی کے ساتھ پیاسے کے حلق میں اور ناطق کے دین میں پہنچتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ افضل ذکر کلمہ طیبہ کی پابندی ہے۔ آپ اپنے مریدین کو ہدایہ اور مرصاد العباد پڑھنے کی تلقین کرتے کہ ذکر واشغال میں یہ مفید کتب ہیں فرماتے کہ: ذکر کو کسی کامل سے سیکھنا ضروری ہے۔ ذکر تقلیدی اور تحقیقی میں فرق ہوتا ہے۔ شیخ شمس الدّین صوفی جامع شراز کے امام تھے۔

اکثر وقت ذکر و تلاوت میں گزر جاتا لیکن یہ سب شیخ کی اجازت کے بغیر کرتے، مقصود کو نہ پہنچے۔ شیخ روز بھان بقلی کی خدمت میں حاضری دی اور ذکر واشغال کی اجازت حاصل کی اور مقصود کو پہنچے۔ ذکر کی شرائط یہ ہیں کہ مرید ارادہ میں صادق ہو اور شیخ کے حکم کی بجا آوری میں ہر وقت تیار رہے۔ راہِ سلوک کا جذبہ رکھتا ہو۔ خلق سے دور رہے اور ذکر سے اُنس رکھے۔ ذکر میں دوام اختیار کرے اور توبہ پر اسکی بنیاد رکھے اور گناہوں سے دور رہے۔ باوضو ذکر کرے۔ پاکیزہ کپڑے پہنے۔ ایسی جگہ ذکر کرے جو پاک اور الگ تھلگ ہو۔ قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور ہر وقت مربع ہو کر نہ بیٹھے۔ افضل ذکر صبح کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک ہے۔ یہی سُنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ ذکر کے وقت ہاتھوں کو رانو پر رکھے، دل کو حاضر کرے اور آنکھوں کو بند رکھے اور نہایت ادب کے ساتھ لا اِلہ الا اللّٰہ کے ذکر سے آغاز کرے۔ بلند آواز سے ذکر کرے۔ شیخ کی اجازت اور نصیحت کے مطابق تین دن روزہ رکھے، باوضو رہے اور ہر وقت ذکر میں مشغول رہے۔ فرمایا:

ذکر چار قسم کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ زبان پر ذکر جاری ہو لیکن دل میں نہ ہو۔ دوسرا وہ جو زبان پر بھی ہو اور دل میں بھی ہو۔ تیسرا وہ کہ زبان اور دل دونوں ذکر میں ہر وقت مشغول رہیں اور چوتھی قسم وہ ہوتی ہے کہ دل ذکر میں مشغول ہوتا ہے لیکن زبان

خاموش رہتی ہے ۔ یہ ذکر کی حقیقت اور معراج ہے کہ دل بولے اور زبان خاموش رہے۔چشتیہ میں نفی اثبات کا ذکر مروّج ہے اور کلمہ طیبہ کے ذکر کی پابندی بہت زیادہ کی جاتی ہے۔ ذکر جہری حلقہ کی صورت میں کیا جاتا ہے اور مشائخ چشت میں یہ روا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے 30 برس مشائخ کی زیارت وخدمت میں گزارے۔تمام مشائخ ذکرِ جہر کرتے ،سہروردیہ اور فردوسیہ مشائخ میں بھی یہ مروّج ہے اور خواجہ مودو چشتی کی خانقاہ پر آج تک ذکرِ جہری کیا جارہاہے اور میں خود اسمیں شامل ہوا ہوں ۔ خواجہ بزرگ خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری سے لیکر آج تک مشائخ چشت میں ذکر جہر کیا جارہاہے۔فقیر مشہد حضرت علی موسیٰ رضا پہنچا تو وہاں سید اجل مقبل الدّین،سید رضی الدّین،سیّد قاضی اوران کے اخوان سید شمس الدین،سید تاج الدین،سید شہاب الدین اور سید محمد محمود جیسے حضرات القدس سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ یہ تمام حضرات ذکرِ جہر کرتے تھے اور بالخصوص صبح کے وقت اپنے تمام مریدین ومتوسّلین کے ساتھ حلقہ کی صورت میں ذکرِ جہر کرتے ۔(54)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ لطائف اشرفی تصوف کا ایک انمول خزینہ ہے ۔قرآن و حدیث ،صحابہ تابعین، آئمہ اربعہ، مشائخ عظام اور مستند کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ آدابِ صوفیہ اور آدابِ تصوف بیان کیے گئے ہیں ۔ ہر موضوع پر لب کشائی کی گئی ہے ۔توحید کی اقسام سے لیکر ذکر واشغال ،طریقت کے آداب اور بالخصوص صوفیاء کی شطحیات پر دلچسپ اور علمی گفتگو موجود ہے ۔ لطائف اشرفی کا منفرد اور امتیازی پہلو یہ ہے کہ ہر موضوع پر صاحبِ ملفوظات نے قاری کو ایک نئی جہت سے متعارف کرایا ہے ۔ بالخصوص تصوف کی ابتداء خانوادوں کا آغاز و ارتقاء، سلاسلِ طریقت کی خصوصیات ،خرقہ خلافت کی حقیقت و تاریخ اس کے آداب اور خاص طور پر اس کی اقسام تمام ملفوظات سے آپ کو منفرد مقام پر فائز کرتی ہیں ۔بعض ارشادات جنکی نشاندہی کی گئی ہے ۔ خاص طور پر خواجہ حسن بصری کا آنحضور ﷺ کے برتن سے پانی پینے والی روایت کے سوا، اسناد کا درجہ رکھتی ہیں ۔

•••

حوالہ جات

1۔ یمنی، نظام الدّین، لطائف اشرفی (فارسی) 1: 346، مطبع نصرت المطابع دھلی

2۔ یمنی، نظام الدّین، لطائف اشرفی (فارسی) 1: 370،369

3۔ یمنی، نظام الدّین، لطائف اشرفی اردو ترجمہ شمس بریلوی، ص 572 مطبوعہ سہیل پرس پاکستان چوک کراچی طبع اوّل 1999

4۔ لطائف اشرفی (فارسی) 1: 346

5۔ میر خورد کرمانی، سید محمد بن مبارک (م 711ء) سیر الاولیاء اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالطیف، مطبوعہ زاہد بشیر پرنٹرز لاھور طبع اول ص 57

6۔ اشرفی میاں، علی حسین، صحائفِ اشرفی ص، 53-54، مطبوعہ ادارہ فیضانِ اشرف بمبئی 1984

7۔ اشرفی میاں، علی حسین، صحائفِ اشرفی ص، 54

8۔ چشتی الشیخ عبدالرحمان (م 1094ء) مراۃ الاسرار اردو ترجمہ کپتان واحد بخش سیال ص 1045 مطبوعہ تعریف پرنٹرز لاھور

9۔ لطائف اشرفی، اردو ترجمہ دیباچہ از ڈاکٹر خضر نوشاہی ب، ص 4

10۔ لطائف اشرفی، اردو ترجمہ، ص 572

11۔ لطائف اشرفی، اردو ترجمہ دیباچہ ب 5

12۔ لطائف اشرفی، (فارسی) 1: 381

13۔ مرآۃ الاسرار، اردو ترجمہ 1178

14۔ لطائف اشرفی، اردو ترجمہ، دیباچہ ب 5

15۔ لطائف اشرفی، اردو ترجمہ، ص 13

16۔ لطائف اشرفی، اردو ترجمہ، ص 16

17۔ لطائفِ اشرفی، ص 26

18۔ لطائفِ اشرفی، 1: 525

19۔ سید علی ہجویری (م 465ھ) کشف المحجوب فارسی نسخہ تہران، ص 187، زاہد بشیر پرنٹرز، ناشر تصوف فاؤنڈیشن لاہور 1998

20۔ ابوالفضل علامہ (م 1011ھ) آئین اکبری 166:3 اردو ترجمہ محمد علی فدا طالب، منظور پرنٹنگ پریس سنگ میل پبلیشرز لاہور

21۔ لطائف اشرفی 1: 528

22۔ لطائف اشرفی،ص534

23۔ لطائف اشرفی،352:1

24۔ لطائف اشرفی،1: 525

25۔ لطائف اشرفی،525:1

26۔ لطائف اشرفی،526:1

27۔ ایضاً

28۔ لطائف اشرفی،526:1

29۔ ابن سعد،(م230ھ) الطبقات کبریٰ (7:169-179) دارِصادر بیروت لبنان1388ھ

30۔ الشاذلی،شیخ عبدالقادرعیسیٰ حقائق عن التصوف اردو ترجمہ محمد اکرم الازھری،ص581 ناشر زاویہ ٹریڈرز لاہور1998

31۔ الکلاباذی(م 380 ھ) التعرف 23)ابونصر سراج الطوسی (م378ھ)اللمع فی التصوف ،ص25 ،بیروت۔ 2001

شہاب الدّین سہروردی(م633ھ) عوارف المعارف،ص14 اردو ترجمہ شمس بریلوی،مطوبعہ گنج شکر پرنٹرز لاہور، 1998

32۔ امام مسلم قشیری(م261ھ)مسلم شریف،اردو ترجمہ محمد محی الدین جہانگیر 1:105-107 شبیر برادرز اردو بازار لاہور،2007

33۔ ابن ندیم(م385ھ)الفہرست،ص274، دارالمعرفہ بیروت

34۔ دہلوی شاہ ولی اللہ(م1176ھ)الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ،ص150 مطبع احمدی دہلی 1311ھ

35۔ پرویز غلام احمد،تصوف کی حقیقت،ص 128 طلوعِ اسلام ٹرسٹ لاہور 1992

36۔ لطائف اشرفی اردو ترجمہ 538:1

37۔ سید محمد اکبر حسینی،جوامع الکلم،ص254 مکتبہ ضیاء القرآن لاہور۔

38۔ لطائف اشرفی اردو ترجمہ،ص538:1

39۔ ابن خلکان(م681ھ)وفیات الاعیان،150:1۔دار صادر بیروت لبنان1398

40۔ مراۃ الاسرار،ص209 (وفیات الاعیان،531:2)

41۔ لطائف اشرفی اردو ترجمہ538:1

42۔ لطائف اشرفی اردو ترجمہ،617:1

43۔ گیسودراز،سید محمد حسینی(م825ھ) جوامع الکلم،ص273، ضیاء القرآن لاہور۔

44۔ امیر حسن علاء سنجری، فوائد الفواد، اردو ترجمہ خواجہ حسن نظامی ،ص459 مطبوعہ زاہد بشیر پرنٹرز اردو بازار لاہور۔

45۔ لطائف اشرفی ،اردو ترجمہ،ص507

46۔ لطائف اشرفی اردو ترجمہ،1:511-515

47۔ لطائف اشرفی اردو ترجمہ،1:516

48۔ لطائف اشرفی اردو ترجمہ،1:517

49۔ لطائف اشرفی1: 670 تا 684

50۔ لطائف اشرفی،1: 517

51۔ لطائف اشرفی،1:522

52۔ لطائف اشرفی،1:493

53۔ لطائف اشرفی،1:494

54۔ لطائفِ اشرفی،1:398-423

◆◆◆

سید ہجویرؒ کا علمی مقام: کشف المحجوب کے تناظر میں

حافظ ذوالفقار علی ☆

Abstract:

Knowledge is the only source of human material and spiritual progress. Islam poses much stress to get and spread knowledge. In Islamic history, every Aalim and Sufi performed the duty of spreading knowledge to the people. Hazrat Ali bin Usman Al-hajveri (R.A), known as "Data Ganj Bakhsh" was a shining star on the sky of Islamic propagation in Sub-continent. He significantly contributed to the spreading of Islamic teachings and knowledge in South Asia. He spent much time of his life in travelling to far off areas for getting maturity in his knowledge. His most famous work is "Revelation of the veild" (Kashf ul Mahjub), originally written in Persian language. This work is one of the earliest and most respected treatises of Islamic spiritual thoughts. 'Kash ul Mahjub' begins with a chapter on Ilm. Ali Hajveri (R.A) introduces the concept of experiential knowledge toward the end of the chapter. This book shows that its writer was a prolific, perceptive, positive minded and discriminating in his choice of topics.

Key words:

Knowledge, Al Hajweri, Data, Kashaf-Ul-Mahjub, Ilm,

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Experiential, Traveling, Prolific, Discriminating

تصوف، تزکیۂ نفس کا دوسرا نام ہے۔ دنیوی و اخروی فلاح، جوکہ ایک مسلمان کا مطمعِ نظر ہے، کا دارومدار تزکیۂ نفس پر ہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْأَفْلَحَ مَن تَزَکّٰی۔ (۱)

(وہ شخص کامیاب ہوا جس نے تزکیہ اختیار کیا)

قرآن مجید میں تزکیہ کا ذکر جن مقامات پر آیا ہے، وہاں اکثر تعلیم و تعلم کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کعبہ کے وقت کی گئی دعا کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوعَلَيْهِمْ آيَاتِکَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَوَيُزَكِّيهِمْ إِنَّکَ أَنتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (۲)

(اے ہمارے رب! ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی غالب اور حکمت والا ہے۔)

جن کلمات کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے انہی کلمات کے ساتھ اس دعا کی قبولیت کا مژدہ سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَوَيُعَلِّمُكُم مَّالَمْ تَكُونُواتَعْلَمُونَ۔ (۳)

(جیسا کہ ہم نے تم میں تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے، تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔)

سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۴ (۴) اور سورۃ الجمعۃ کی دوسری آیت (۵) میں بھی چند کلمات کے تبدّل کے ساتھ یہ مضمون اسی پیرائے میں بیان فرمایا گیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے جہاں رسالت مآب ﷺ کے مناصبِ عظیمہ سے آگاہی فراہم کی گئی ہے، وہاں تزکیہ اور تعلیم و تعلم کے باہمی مربوط تعلق کا پتا بھی ملتا ہے، بلکہ ان آیات میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ تزکیہ کا حامل وہی فرد ہوگا جو خود بھی کتاب وحکمت کا عالم ہو اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دینے

کا فریضہ بھی سرانجام دے۔

اسلام میں علم کے حصول اور آنے والی نسلوں تک اس کی منتقلی کو فرض کا درجہ دیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں کسی بھی شعبۂ زندگی میں علم کے بغیر کامیابی کا دعویٰ محض ایک باطل دعویٰ کہلائے گا، خواہ اس شعبۂ زندگی کا تعلق روحانیات سے ہو یا مادیات سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان علماء وصوفیہ کے مدارس اور مراکز میں تزکیۂ نفس، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت کا عمل ہمیشہ دوش بدوش جاری رہا۔ برصغیر میں اہلِ تصوف کے سرخیل حضرت علی بن عثمان الہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش ہیں۔ ''داتا'' اور ''گنج بخش'' آپ کے القاب ہیں۔ عامۃ الناس ان دونوں القاب کو ملا کر ''داتا گنج بخش'' کے نام سے آپ کو یاد کرتے ہیں۔ آپ ایک باکمال صوفی بھی تھے اور باعمل عالم بھی۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت تھے، جس کی واضح دلیل آپ کا معروف اثرِ علمی ''کشف المحجوب'' ہے۔ ذیل کی سطور میں کشف المحجوب کے مطالعہ کی روشنی میں آپ کے علمی مقام اور آپ کے تصورِ علم کا ایک جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

نام ونسب:

آپ کا نام علی بن عثمان بن علی ہے۔ معروف اقوال کے مطابق آپ کا سن پیدائش ۴۰۰ھ اور سنِ وفات ۴۶۵ھ ہے۔ آپ ہاشمی سید ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے حضرت علیؓ سے ملتا ہے۔ غزنی کے ایک محلہ جلاّب میں پیدا ہوئے۔ ہجویر آپ کے ننھیال کا محلہ تھا۔ آپ کچھ عرصہ جلاّب میں رہے اور بعد ازاں ہجویر آ کر قیام پذیر ہوئے، یوں تینوں نسبتوں کی وجہ سے آپ کشف المحجوب میں اپنا نام اور وطن ان الفاظ میں بتاتے ہیں:

''علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الہجویری''(۲)

سیاحت اور حصولِ علم:

سیاحت ہر دور میں حصولِ علم کا بہترین ذریعہ رہی ہے۔ دورِ حاضر میں بھی، جہاں دنیا کی اکثر معلومات انگلیوں کے پوروں کی حرکت پر دستیاب ہیں، بیرونِ ملک سے حاصل کی گئی ڈگری کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔ سید علی ہجویریؒ کو جس چیز نے علم وفضل کے اعلیٰ درجے تک پہنچایا، وہ ان کا ذوقِ سیاحت ہے۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہزارہا میل سفر پا پیادہ طے کیا اور آج جن ممالک کا نام ذہن میں آتے ہی جدید ذریعہ ہائے سفر آنکھوں کے سامنے گھومنے

لگتے ہیں، حضرت داتا نے ان کا کئی کئی مرتبہ سفر پیدل چل کر طے کیا تا کہ علم و دانش کے حصول میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے پائے۔

آپ غزنی سے حصولِ علم کی خواہش لے کر نکلے اور ماوراء النہر، آذر بائیجان، خراسان، نیشاپور، سرخس، طوس، دیارِ ہند، شام، بغداد، فارس، فرغانہ، خوزستان، ترکستان اور دیگر بہت سے ممالک میں سر گرمِ سفر و سیاحت رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اپنی معلومات پر حد درجہ اعتماد ہے اور آپ بڑی سہولت و روانی کے ساتھ ملاحدہ کے علاوہ ہندوؤں، اہلِ تبت، اور چین کے علاقوں کے بودھوں کے معتقدات و توہمات کی بھی قلعی کھولتے جاتے ہیں اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی تعلیمات کا بھی بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ دورانِ سفر پیش آمدہ واقعات سے آپ نے جو نتائج اخذ کیے اور جو اصول و نظریات قائم کیے وہ ہمیشہ مثبت ذہن سے ہی اخذ کیے اور کہیں بھی ان میں منفی پہلو دکھائی نہیں دیتا۔

علی ہجویریؒ کے نزدیک ایک صوفی کا سفر کوئی تفریحی چیز نہیں بلکہ اس کا خاص مقصد ہونا چاہیے۔ آپ نے سفر کے جو مقاصد گنوائے ہیں ان میں سفر برائے حج کے بعد آپ نے سفر برائے حصولِ علم کو شمار کیا ہے۔(۷)

شیوخ:

طریقت میں آپ کے شیخ ابوالفضل محمد بن حسن الختلیؒ ہیں جو علم حدیث کے جید عالم تھے۔ جبکہ دیگر علوم میں آپ نے جن شخصیات سے کسبِ فیض کیا ان کا ذکر کشف المحجوب کے مختلف صفحات پر ملتا ہے۔ ان شخصیات میں آپ کے اساتذہ بھی ہیں، ہم عصر مشائخ بھی، حتیٰ کہ اپنے تلامذہ اور عمر میں خود سے چھوٹے افراد سے بھی آپ نے اگر کچھ سیکھا ہے تو اس کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ کتاب کے بارہویں باب میں آپ کے شیوخ کی شخصیات پر مختصر تبصرہ موجود ہے۔ اس تذکرہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس شخصیت سے آپ نے علم و دانش کے کون کون سے پہلوؤں کا اکتساب کیا۔ چند ایک کا ذکر درج ذیل ہے۔

ابوالقاسم القشیریؒ:

آپ تصوف کی معروف کتاب ''رسالۂ قشیریہ'' کے مصنف ہیں۔ ان کی تعلیمات سے علی ہجویریؒ کو تحقیق و جستجو کا شوق پیدا ہوا۔ انہی سے آپ نے یہ راز پایا کہ کہ جب تک علم نہ ہو، زبان خواہ مخواہ

مصروفِ کلام رہتی ہے،لیکن جوں جوں علم حاصل ہوتا جائے،الفاظ کے معانی کا ادراک حاصل ہوتا جاتا ہے۔یہ آگہی بتدریج سکوت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان بے مقصد گفتگو سے محفوظ رہتا ہے۔(۸)

ابوالقاسم گرگانی:

کشف المحجوب کے اوراق سے پتہ چلتا ہے کہ تصورِ توحید کے بارے میں کافی حد تک رہنمائی آپ نے شیخ گرگانی سے حاصل کی۔نفی واثبات اور ترکِ شرک وتوہمات سے متعلق آپ کے خیالات پر شیخ گرگانی کے اقوال کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

ابوالعباس احمد بن محمد اشقانی:

حضرت داتاؒ نے کتاب میں شیخ اشقانی کا ذکر بڑی محبت اور احترام سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ آپ سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔ان سے اکتسابِ علم کا ذکر یوں فرمایا کہ ''در بعضے علوم استادِ من بود''۔فنا وبقا اور عدم ووجود کے مباحث میں آپ کی اکثر معلومات انہی سے اخذ کردہ ہیں۔

علاوہ ازیں شیخ ہجویریؒ نے اپنے مندرجہ ذیل شیوخ کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔

شیخ ابوعبداللہ داغستانیؒ

ابوالعباس احمد بن محمد القصابؒ

ابواحمد المظفر بن حمدانؒ

ابوجعفر صیدلانیؒ

ابوسعید فضل بن محمدؒ

مؤخر الذکر آپ کے رفیقِ سفر بھی رہے اور جہاں آپ نے ان سے کچھ علوم سیکھے وہیں وہ بھی حضرت ہجویریؒ کے علوم و معارف کے معترف تھے۔شیخ ابوسعید ہجویری نے ہی آپ سے تصوف و طریقت سے متعلق چند سوالات کیے جو اس بلند پایہ کتاب کی تصنیف کا باعث بنے۔سوالات کا تعلق اگرچہ تصوف اور راہِ سلوک سے ہے تاہم آپ نے جواب اس سلیقے سے قلمبند فرمائے کہ ان کے مطالعہ سے ایک سالک کو راہِ سلوک کا سراغ بھی ملتا ہے اور ایک عالم و طالبِ علم کو اپنے علم میں اضافہ کرنے کا موقع بھی ہاتھ آتا ہے۔

خلیق نظامی آپ اور آپ کی کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں:

''شیخ علی ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخشؒ جید عالم اور بزرگ تھے۔اپنے زمانے کے بے شمار مشائخ سے ملے تھے اور فیض حاصل کیا تھا۔..........شیخ ہجویریؒ کی کتاب نے ایک طرف تصوف سے متعلق عوام کی غلط فہمیوں کو دور کیا، دوسری طرف اس کی ترقی کی راہیں کھول دیں۔''(۹)

کشف المحجوب کے بلند پایہ علمی مقالات ومباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ جمیع اسلامی علوم پر آپ کو کامل دسترس حاصل تھی۔ نامور محقق شمس بریلوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''آپ جس طرح طریقت وشریعت کے مباحث پر بحث فرماتے ہیں اور استدلال لاتے ہیں اور قرآن وحدیث وخبر سے جس طرح سند پیش کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو علوم متداولہ پر دستگاہِ کامل حاصل تھی اور آپ علوم شریعت کے بھی شناور نہیں بلکہ غواص تھے اور علم تفسیر وحدیث پر آپ کو عبور حاصل تھا اور آپ ان علوم پر بھی گہری نظر رکھتے تھے''۔(۱۰)

کشف المحجوب سے آپ کی شخصیت کا جو عکس جھلکتا ہے وہ شریعت اور اعلیٰ اخلاق کے ایک معلم کا عکس ہے اور معلم ہونے کے لیے اس علم کا خود عالم ہونا ایک بنیادی وصف ہے۔آپ کے اندازِ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسے عالم کا بیان ہے جسے تصوف پر بھی مکمل عبور حاصل ہے۔آپ کا اندازِ تحریر ایک ایسے استاد کا سا ہے جو اپنے شاگرد کو رہنمائی فراہم کررہا ہو۔

شیخ ہجویری نے کتاب میں از اول تا آخر یہ انداز اختیار کیا ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ سے متعلق پہلے قرآن پاک سے حوالہ دیتے ہیں، پھر اس سے متعلقہ احادیث بیان کرتے ہیں ۔ پھر اس پر مختلف روایات واقوال پیش کرتے ہیں، اکابرین اربابِ تصوف کے یہاں اس کی سند تلاش کرتے ہیں اور بعد ازاں ''من علی بن عثمان الجلابی می گویم'' کہہ کر اپنا نکتۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ یہ خالص عالمانہ انداز ہے اور بے حد متاثر کن، جاذبِ روح وعقل اور پرکشش ہے۔ بات سمجھا کر قاری کو مرعوب نہیں کرنا چاہتے بلکہ حقیقت ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں تا کہ پڑھنے یا سننے والا پوری طرح سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی خواہش دل میں محسوس کرے۔ پروفیسر عبدالمجید یزدانی لکھتے ہیں کہ آپ عام رواج کے مطابق محض روایات کا پلندہ ہی پیش نہیں کرتے بلکہ ہر بات کو پرکھتے ہیں، جانچتے ہیں، تولتے ہیں اور پھر

اسے قبول کرتے ہیں یا مسترد کردیتے ہیں اور اس قبول وانکار میں ان کے ذاتی مشاہدہ وتجربہ کو ہمیشہ دخل ہوتا ہے۔ (۱۱)

حضرت علی ہجویریؒ کا تصورِ علم:

تصوف نے جب تحریر وتصنیف میں قدم رکھا اور اسرارِ طریقت وحقیقت پر قلم اٹھایا جانے لگا تو اس موضوع پر جو کچھ اب تک لکھا گیا تھا وہ عربی زبان میں تھا۔حضرت علی ہجویریؒ کے معاصرین میں سے امام قشیریؒ نے رسالہ قشیریہ عربی میں مرتب کیا۔ فارسی نژاد علماء وفضلاء نے بھی تصنیف کے میدان میں بالعموم عربی زبان کو ہی اختیار کیا۔اس زمانہ تک مذہبی کتابوں کو تحریر کرنے میں عربی کے سوا کسی اور زبان کو استعمال کرنا عام طور پر تقدیس کے منافی خیال کیا جاتا تھا۔حضرت علی ہجویریؒ کو عربی زبان پر کامل عبور تھا لیکن آپ کے علمی کارنامے میں یہ اعزاز بھی شامل ہے کہ آپ نے عام روایت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کشف المحجوب عوام کے افادہ کے لیے فارسی زبان میں تصنیف فرمائی اور حق تو یہ ہے کہ اس موضوع پر آپ نے فارسی میں قلم اٹھانے کا حق ادا کردیا۔

کشف المحجوب کے مباحث کا آغاز جس بحث سے ہوتا ہے وہ علم ہی کی بحث ہے۔ذیل میں حضرت گنج بخشؒ کے تصورِ علم کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جارہا ہے جس سے اندازہ ہوسکے گا کہ حصولِ علم کے متعلق آپ کے خیالات کیا تھے،آپ نے علم کو کن اقسام میں تقسیم فرمایا اور آپ کے تصورِ علم کی بنیادیں کیا ہیں۔

علم کی فرضیت:

حضرت ہجویریؒ نے حصولِ علم کی فرضیت کو اس تصور سے مربوط کیا کہ انسان کی تخلیق کا مقصد رضائے الٰہی اور خشیتِ الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا،اور خشیت کے مقام پر فائز ہونا صاحبانِ علم کو ہی نصیب ہوتا ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے علمائے ربانی کی صفت ان الفاظ میں ارشاد فرمائی:

إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (۱۲)

(درحقیقت علماء ہی خوفِ خدا رکھتے ہیں۔)

فرضیتِ علم سے متعلق قرآنی فرمان کی تائید میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے استدلال کیا:

"طلبُ العلمِ فریضۃٌ علیٰ کلِّ مسلمٍ" (۱۳)

(ہر مسلمان (مرد وعورت) پر تحصیلِ علم فرض ہے۔)

علم کی فرضیت کے بیان کے بعد اگلا مرحلہ انتخابِ علم ہے کہ کون سا علم حاصل کیا جائے۔ چونکہ علم کے گوناں گوں شعبے ہیں اور اس محدود حیاتِ مستعار میں ان تمام شعبوں کا احاطہ کسی کے لیے بھی ممکن نہیں۔اس مسئلہ کے حل کے لیے ترجیحات کا تعین کیا جاتا ہے۔صاحبِ کشف المحجوب کا ذہن اس حوالے سے اس قدر واضح اور استدلال کی قوت اس قدر پختہ ہے کہ آپ نے چند جملوں میں اس الجھن کو سلجھن بنا دیا۔آپ لکھتے ہیں کہ اے طالب حق !تمہیں علم ہونا چاہئے کہ علم کی کوئی حد وغایت نہیں ہے اور ہماری زندگانی محدود ومختصر ہے۔بنابریں ہر شخص پر تمام علوم کا حصول فرض قرار نہیں دیا گیا،جیسے علم نجوم،علم حساب اور نادر وعجیب صنائع وغیرہ۔لیکن ان میں اتنا سیکھنا جتنا شریعت سے متعلق ہے،ضروری ہے۔مثلاً علم نجوم سے اتنا سیکھنا جس سے دن رات کے اوقات کا علم ہو،(جن سے نماز وروزے کی ادائیگی درست طریقہ پر ہو سکے)لازم ہے،اسی طرح علم طب سے اتنا جس سے ایام وعدت جان سکے۔علمِ حساب سے اس قدر جس سے فرائض یعنی میراث وغیرہ کی تقسیم ہو سکے۔غرضیکہ شریعت پر عمل درآمد کے لئے جس علم کی احتیاج جس قدر ہو،اسی قدر اس علم کا حاصل کرنا فرض ولازم ہے۔ (۱۴)

علمِ غیر نافع کی مذمت:

انتخابِ علم کے ذیل میں آپ نے یہ اہم وضاحت بھی فرمائی اور بروقت وبرموقع فرمائی کہ ہر علم کو اس کی نفع رسانی اور غیر نفع رسانی کے معیار پر بھی پرکھا جائے گا۔آپ فرماتے ہیں کہ جو علوم کسی کو نفع نہ پہنچا سکیں،اللہ تعالیٰ نے ایسے علوم کی تحصیل کی مذمت فرمائی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنفَعُهُمْ (۱۵)

(وہ ان باتوں کو سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر پہنچائیں اور انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائیں۔)

اس قرآنی آیت کے ذیل میں بھی آپ نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے استنباط کیا جس میں رسول اللہ ﷺ نے بے منفعت علم سے پناہ مانگی ہے۔آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلمٍ لَا یَنْفَعُ (۱۶)

(میں پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ پہنچائے۔)

علم وعمل، لازم وملزوم:

انتخابِ علم کے بعد اس علم پر عمل کرنے کی باری آتی ہے۔ وہی علم بارآور ثابت ہوتا ہے جس پر عمل درآمد کی صورتیں بھی نمودار ہوں۔ عمل کے بغیر علم کی نفع مندی یا ضرر رسانی کا تعین بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی لیے حضرت داتاؒ نے علم و عمل کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور بے عمل علماء کی سخت مذمت کی ہے۔ علم و عمل کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے والے گروہوں کا محاسبہ بھی کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یاد رکھو! علم کے ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ تھوڑے سے علم کے لئے بہت زیادہ عمل درکار ہے۔ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں، لہٰذا علم کے ساتھ عمل ہمیشہ پیوست رہنا چاہئے۔ اسی طرح بغیر علم کے عمل رائیگاں ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں نے عام لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ وہ علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں اور ایک گروہ ایسا بھی دیکھا کہ وہ عمل کو علم پر فوقیت دیتا ہے حالانکہ ان دونوں گروہوں کے نظریے باطل ہیں۔ اس لئے کہ بغیر علم کے عمل کو حقیقت میں عمل کہا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ عامل جبھی عمل کرتا ہے جب پہلے اسے اس کا علم ہو۔ مطلب یہ کہ بندہ کو علم ہوتا ہے تو وہ عمل کرنے کے ذریعہ اجر و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔ سمجھنا یوں چاہئے کہ نماز ایک عمل ہے جب تک بندہ کو پہلے طہارت کے ارکان کا علم نہ ہو، اسی طرح پانی کی شناخت کا علم، سمتِ قبلہ کا علم، کیفیتِ نیت کا علم، وقتِ نماز کا علم اور ارکانِ نماز کا علم پہلے سے نہ ہو، نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ لہٰذا بغیر علم کے عمل کرنے والے سے جاہل کو کیسے جدا کر سکتے ہیں۔ یہی حال اس گروہ کا ہے جو علم کو عمل پر فضیلت دیتا ہے یہ نظریہ بھی باطل محض ہے کیونکہ عمل کے بغیر علم کچھ کام نہ آئے گا۔ ارشادِ ربانی ہے:

> نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ۔ (۱۷)
>
> (اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے (یعنی وہ کتاب پر عمل نہیں کرتے) گویا وہ لوگ بے علم ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے اس آیۂ کریمہ میں عالمِ بے عمل کی علماء کے زمرے میں شمولیت کی نفی فرمائی ہے۔ اس لیے کہ سیکھنا، یاد کرنا، محفوظ کرنا یہ سب بھی تو عمل ہی کے قبیل سے ہیں اور اسی عمل کے ذریعہ ہی بندہ مستحقِ ثواب ہوتا ہے۔ اگر عالم کا علم اس کے اپنے کسب و فعل سے نہ ہو تو بھلا وہ کسی ثواب کا کیسے حقدار ہو سکتا ہے۔ (۱۸)

آپ فرماتے ہیں کہ بعض جاہل تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو قال ہے یعنی علم کی باتیں، ہمیں

علم نہیں چاہئے بلکہ حال یعنی عمل چاہے اور کوئی نادان یوں کہہ گزرتا ہے کہ عمل کی کیا ضرورت ہے؟ صرف علم ہی کافی ہے حالانکہ جس طرح عمل کے بغیر فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح علم کے بغیر عمل سودمند نہیں ہے۔ یہ دونوں نظریے باطل ہیں اور درحقیقت علم وعمل دونوں ہی لازم وملزوم ہیں۔ (۱۹)

یہاں یہ بات بھی غور وفکر کی متقاضی ہے کہ قریباً ہزار سال گزر جانے کے باوجود متذکرہ بالا دونوں گروہ بعینہٖ انہی نظریات کا علم بلند کیے ہوئے آج بھی موجود ہیں جیسا کہ اُس دور میں تھے۔

علم برائے حصولِ جاہ کی مذمت:

علم سے متعلقہ تینوں ابتدائی مراحل کے بیان کے بعد آپ نے صراحت فرمائی کہ علم کے مقاصد میں اولین مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہونا چاہئے نہ کہ کوئی دنیاوی غرض۔ آپ نے قرار دیا ہے کہ جو شخص علم کو دنیاوی عزت وجاہ کی غرض سے حاصل کرتا ہے، وہ درحقیقت عالم کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے، کیونکہ دنیاوی جاہ وحشمت کی خواہش کرنا بجائے خود جہالت کی اقسام میں سے ہے۔ جب ایسا شخص اس ظاہری علم کے مرتبہ سے ہی نادان ہے تو بھلا وہ ربانی لطائف وفن سے اپنا حصہ کیونکر پا سکے گا اور الٰہی اسرار کو کیسے جان سکے گا؟ (۲۰)

علم کی اقسام:

خالق کے علم کی برتر وابدی حیثیت اور مخلوق کے علم کی محدودیت اور کم تر حیثیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ اے طالبِ حق! یاد رکھو کہ علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علم اللہ تعالیٰ کا ہے اور دوسرا علم مخلوق کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے اور اس کی کسی صفت کی کوئی حد وانتہاء نہیں ہے۔ اس کا علم موجود ومعدوم سب پر حاوی ہے اور ہمارا علم یعنی مخلوق کا علم، ہماری صفت ہے جو خدا کی عطا کردہ ہے اور ہمارے ساتھ قائم ہے۔ مخلوق کی تمام صفتیں متناہی اور محدود ہیں۔ مخلوق کا علم بمقابلہ علمِ الٰہی کوئی حقیقت ونسبت نہیں رکھتا، کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَاأُوتِيتُم مِّن عِلْمٍ إِلاَّ قَلِيلاً۔ (۲۱)

(جس قدر تمہیں علم کا حصہ دیا گیا ہے درحقیقت وہ بہت تھوڑا ہے۔)

اللہ تعالیٰ مزید ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّهُ مُحِيطٌ بِالْكافِرِينَ۔ (۲۲)

(اللہ کا علم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔)

نیز ارشاد ہے:

وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ (۲۳)

(اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔)

اس کے بعد آپ علم کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ علم اوصافِ مدح میں سے ہے، یعنی انتہائی قابلِ تعریف وصف ہے۔ علم کی تعریف ''معلوم کو گھیرنا'' اور ''معلوم کا اظہار و بیان'' ہے۔ لیکن سب سے بہترین تعریف ہے:

اَلعِلمُ صفۃ یَصِیرُ الجَاھِلُ بِھا عَالِماً

(علم ایک ایسی صفت ہے جس کے ذریعے جاہل، عالم بن جاتا ہے۔)

معتزلہ کی جانب سے پیدا کی گئی تشکیک کے پیشِ نظر آپ وضاحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی ذاتی صفت ہے۔ وہ ہر معدوم و موجود کو جانتا ہے، اس میں نہ کوئی مخلوق شریک ہے اور نہ اس کا علم متجزی و منقسم ہوسکتا ہے اور نہ اس سے منفک وجدا ہوسکتا ہے۔ طالبِ حق کو چاہئے کہ خدا کے مشاہدے میں عمل کرے، مطلب یہ ہے کہ بندہ اعتقاد رکھے کہ وہ ہر وقت خدا کے علم میں ہے اور وہ اس کے افعال کو ملاحظہ فرما رہا ہے۔ (۲۴)

فرض علوم کی مزید تقسیم:

آپ فرض علوم اور ان کی ظاہری و باطنی کیفیات کی تقسیم کے متعلق فرماتے ہیں کہ ہر شخص پر لازم ہے کہ احکامِ الٰہی اور معرفتِ ربانی کے حصول میں مشغول رہے۔ بندے کا علم وقت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے، یعنی جس وقت پر جس علم کی ضرورت ہو خواہ ظاہر میں ہو یا باطن میں، اس کا حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے۔ اس علم کے دو حصے ہیں ایک کا نام علم اصول ہے اور دوسرے کا نام علمِ فروع۔ علمِ اصول کا ظاہر کلمۂ شہادت ہے یعنی توحید و رسالت کا اقرار، اور علمِ اصول کا باطن تحقیقِ معرفت یعنی حق تعالیٰ کی معرفت میں کوشش کرنا ہے۔ علمِ فروع کا ظاہر یہ ہے کہ لوگوں سے حسنِ معاملہ کیا جائے اور علمِ فروع کا باطن یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر معاملہ میں نیت صحیح و درست رکھی جائے۔ ان میں سے ہر ایک کا قیام بغیر دوسرے کے محال و ناممکن ہے، اس لئے کہ ظاہر حال باطنی حقیقت کے بغیر نفاق ہے، اور اسی طرح

باطن بغیر ظاہر کے زندقہ یعنی بے دینی ہے۔ ظاہر شریعت بغیر باطن کے ناقص و ناممکن ہے اور باطن ظاہر کے بغیر ہو تو وہ ہوس ہے۔ (۲۵)

علم حقیقت کے ارکان:

آپ فرماتے ہیں کہ علمِ حقیقت کے تین رکن ہیں۔

۱۔ ذات باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت اور اس کے غیر سے مشابہت کی تنزیہہ و نفی کا علم۔

۲۔ صفات باری تعالیٰ اور اس کے احکام کا علم

۳۔ افعال باری تعالیٰ، یعنی تقدیر الٰہی اور اس کی حکمت کا علم

علم شریعت کے ارکان:

علم شریعت یعنی ظاہر علم اصول کے بھی تین رکن ہیں۔

(۱) کتاب یعنی قرآن کریم (۲) اتباعِ رسول ﷺ یعنی سنت (۳) اجماع امت۔

ان تمام ارکان کی وضاحت میں اس مقام پر بھرپور تفصیل کے ساتھ شیخ ہجویریؒ نے مختلف آیاتِ قرآنی سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کے علم کے اثبات میں دلائل ذکر کیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایسی بہت سی آیاتِ قرآنیہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے افعال پر غور و فکر کرنے سے اس کی صفات فاعلیہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ (۲۶)

ذات باری تعالیٰ کے علم کی شرائط ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ ہر عاقل و بالغ یہ اعتقاد رکھے کہ حق تعالیٰ موجود، اپنی ذات میں قدیم، بے حدوحدود ہے اور اس کا کوئی مکان اور جہت نہیں ہے۔ اس کی ذات کے لئے تغیر وتبدل ہے اور نہ کسی آفت کا صدور۔ کوئی مخلوق اس کی مانند نہیں ہے اور نہ اس کے بیوی بچے ہیں۔ تمہاری عقل وخیال میں جو صورت وشبیہ آئے وہ اسی کی پیدا کردہ ہے، سب کا وہی خالق ہے، ارشاد ہے:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ‌ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ۔ (۲۷)

(کوئی شے اس کی مثال نہیں، وہی سننے دیکھنے والا ہے۔)

صفاتِ باری تعالیٰ کے علم کی شرط یہ ہے کہ عاقل و بالغ یہ اعتقاد رکھے کہ اس کی تمام صفتیں اسی کیساتھ ہیں، مطلب یہ کہ اس کی صفتیں نہ تو اس کی ذات ہیں اور نہ اس کا غیر، وہ اپنی ہی صفات کے ساتھ

دائم ہے۔ جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور بقاوغیرہ۔

علم افعال باری تعالیٰ کے اثبات میں یہ ہے کہ بندہ اعتقاد رکھے کہ تمام مخلوق اور جو کچھ اس کائنات میں ہے، سب کا پیدا کرنے والا اوران کی تدبیر فرمانے والا وہی ہے۔ یہ جہان ناپیدومعدوم تھا، اسی کی تخلیق سے وجود میں آیا۔ اسی نے ہر خیروشر، نیک و بد کی تقدیر فرمائی اور وہی ہر نفع ونقصان کا پیدا کرنے والا ہے۔

علم شریعت کے اثبات کی دلیل میں آپ رقمطراز ہیں کہ بندہ کو یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری جانب معجزات اور خوارق عادات کے ساتھ خدا کے بکثرت رسول معبوث ہوئے ہیں اور ہمارے رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ خدا کے برحق رسول ہیں، آپ ﷺ کے معجزات بہت ہیں اورآپ نے جوبھی غیب وظاہر کی باتیں بیان فرمائی ہیں، سب حق ہیں۔ (۲۸)

علم میں اقوالِ مشائخ:

علم کی بحث کو سمیٹتے ہوئے آپ نے مختلف مشائخ کے اقوال ذکر کر کے اپنے استنباط کو واضح کیا ہے اوران اقوال کی تشریح بھی فرمائی ہے۔ آپ کے ذکر کردہ اقوالِ مشائخ میں سے بطور نمونہ دو اقوال نقل کیے جارہے ہیں۔ آپ رقمطراز ہیں کہ حضرت محمد بن فضل علیہ الرحمۃ کے مطابق علوم تین طرح کے ہیں:

(۱)علم من اللہ (۲)علم مع اللہ (۳)علم باللہ

اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ علم باللہ کو علمِ معرفت کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ تمام انبیاء واولیاء نے اسی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پائی ہے، جب تک انہیں اس کی معرفت نہ ہوئی منزل عرفان حاصل نہ ہوئی۔ درحقیقت معرفتِ الٰہی، اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت اوراس کی عنایت پر منحصر ہے، کسی کی ذاتی محنت و کوشش کااس میں دخل نہیں ہے۔

علم من اللہ کا نام علم شریعت ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے ہماری طرف احکام نازل کر کے ان کی ادائیگی ہم پرلازم قراردی ہے۔

علم مع اللہ کا نام علمِ مقامات، علمِ طریق حق اور اولیاء کرام کے درجات کا بیان ہے لہٰذا اس کی معرفت شریعت کی پیروی کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ اسی طرح شریعت کی پیروی اظہار مقامات کے بغیر درست نہیں ہے۔ (۲۹)

آپ نے حضرت ابوعلی ثقفی علیہ الرحمۃ کا قول نقل کیا کہ:

العلمُ حیوۃُ القلبِ مِنَ الجھلِ وَ نُورُ العَینِ مِنَ الظلمۃِ

(جہالت اور تاریکی کے مقابلہ میں علم دل کی زندگی اور آنکھوں کا نور ہے۔)

مطلب یہ کہ جہالت کے خاتمہ سے دل کی حیات اور کفر کی تاریکی دور ہونے سے آنکھ کی روشنی یقینی ہے۔جس کو معرفت نہیں، اس کا دل جہل کی وجہ سے مردہ ہے اور جس کو شریعت کا علم نہیں، اس کا دل نادانی کا مریض ہے۔ پس کافروں کے دل مردہ ہیں، کیونکہ وہ خدا کی معرفت سے بے بہرہ ہیں۔ اہل غفلت کا دل بیمار ہے، کیونکہ وہ اللہ کے فرمان سے دوری اختیار کیے ہوئے ہیں۔

علم اور عاجزی:

علم اسی وقت نافع ہوتا ہے جب صاحبِ علم عاجزی اختیار کرے، اگر وہ اپنے علم کی بناء پر تکبر کا شکار ہو جائے تو ایسا علم نورِ ہدایت کی بجائے گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ شیخ ہجویریؒ علم سے متعلقہ کشف المحجوب کے اس باب کا اتمام فرماتے ہوئے عاجزی کا درس دے رہے ہیں کہ اے طالبِ راہ حق! تمہیں لازم ہے کہ علم حاصل کر کے اس میں کمال حاصل کرو۔ بندہ خواہ کتنا ہی کامل علم حاصل کر لے، اسے چاہئے کہ وہ ہمیشہ یہ سمجھے کہ میں کچھ نہیں جانتا کیونکہ بندہ، بندگی کے علم کے سوا کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ اسی مفہوم میں شعر ہے:

العجزُ عَنْ دَرْکِ الاِدراکِ اِدراکُ
وَالوقفُ فی طرقِ الاَخیارِ اِشراکُ

(علم کے ادراک سے عاجز رہنا ہی علم کا ادراک ہے۔ نیکوں کی راہ سے ہٹ جانا شرک کے برابر ہے۔)

آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص سیکھتا ہے، اسے یہ نصیحت ہے کہ اس کا علم اپنے نتیجہ کار میں بجز عاجزی کے کچھ نہیں ہے۔ اگر اس میں عجز کی خوبی پیدا ہو گئی تو درحقیقت علم کی تہہ تک اس کی رسائی ہو سکتی ہے۔(۳۰)

خلاصۂ کلام:

ہر علم وفن کی طرح تصوف میں بھی بعض جعلی عناصر جب درآئے جنہوں نے ہوائے نفس اور اپنے دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے تصوف کا لبادہ اوڑھا تو انہوں نے روحِ تصوف کے منافی بہت سے

غلط تصورات کو تصوف کا حصہ بنانے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک غلط فہمی یہ بھی پھیلائی گئی کہ اہلِ تصوف اور اہلِ علم الگ الگ طبقے ہیں اور ان کا باہمی کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ عوام الناس میں ایسے فاسد خیالات کو رواج دیا جانے لگا کہ درویشوں کا علم سے کیا لینا دینا؟ فقیروں کی اور علم والوں کی آپس میں کبھی نہیں بنتی۔

درج بالا بحث میں حضرت ہجویریؒ کے افکار اور آپ کے مرتبۂ علمی کے مباحث سے ان خیالات کی تردید ہوتی ہے۔ ایک باعمل صوفی کا عالم ہونا اور باعمل عالم کا صوفی ہونا لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ عالم شریعت بھی ہیں اور شیخ طریقت بھی۔ کشف المحجوب کے مطالعہ سے درج ذیل نکات نکھر کے سامنے آتے ہیں۔

☆ شیخ ہجویری کے نزدیک علم وہی ہے جو نفع بخش ہو، چنانچہ انہوں نے اس سے خود بھی نفع اٹھایا اور دوسروں کے لئے بھی اسے نفع بخش بنا کر پیش کر کے اپنے صحیح عالم ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔

☆ حصولِ علم کے لئے انہوں نے کتابیں پڑھیں، سیاحت کی، علماء کی صحبتیں اختیار کیں، کتابی مطالعہ کے علاوہ اپنے تجربات و مشاہدات سے بھی استفادہ کیا، اور اس طرح علم کی کماحقہ تکمیل کی۔

☆ داتا صاحب کو اپنے مطالعہ و علمیت پر پورا اعتماد ہے۔ وہ بڑے وثوق سے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اسے قولِ فیصل کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔

☆ قوتِ استدلال عالم کا سب سے بڑا خزانہ ہوتا ہے، آپ اس دولت سے بھی مالا مال ہیں، وہ فوق العادۃ باتوں کو بھی زورِ استدلال سے ثابت کرنے میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ (۳۱)

☆ علم کی پنہاں حقیقتوں اور مفصل مباحث کو آپ نے ایک مختصر باب میں سمو دیا ہے۔ یہ مختصر باب علم کے حقیقی تصور کے حوالے سے قیمتی آراء کا ایک حسین مرقع ہے۔ تصورِ علم کا ایسا مرقع صرف وہی ترتیب دے سکتا ہے جو خود درسوخ فی العلم کے درجۂ کمال پر فائز ہو۔

☆ علم کی فرضیت، حدود، انتخاب، علم کے مقاصد، تقسیم اور علم پر عمل جیسے مباحث کو جس دل نشیں ترتیب اور عمدہ طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے، وہ صرف آپ جیسی صاحبِ علم شخصیت کا ہی خاصہ ہے۔

☆ آپ کے تصورِ علم سے یہ غلط فہمی بھی دور ہوئی کہ تصوف، عمل کی دنیا سے ماوراء نظامِ فکر ہے۔ آپ نے علم بلا عمل کا بھرپور ابطال کیا ہے۔

☆ علم شریعت کی اہمیت اور اپنے اعمال میں شریعت کی لازمی مطابقت پر آپ نے جتنا زور دیا ہے، اس سے رہبانیت اور فرار کی ہر راہ مسدود ہو گئی۔ اس سے تصوف پر اس الزام کی نفی بھی ہوتی ہے کہ اہل تصوف خانہ ساز اصولوں پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

☆ آپ نے بے عمل علماء اور بے علم صوفیہ، دونوں سے اجتناب کی متوازن اور شریعت کی نظروں میں محمود راہ سجھائی ہے۔

☆ کشف المحجوب کا ورق ورق گواہی دے رہا ہے کہ اس کا مصنف پابندِ شریعت صوفی بھی ہے اور مستند ترین عالم بھی ہے۔

◆◆◆

حوالہ جات

۱۔ الاعلیٰ: ۱۴

۲۔ البقرۃ:۱۲۹

۳۔ البقرۃ:۱۵۱

۴۔ **لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِينٍ ٠**

۵۔ **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ٠**

۶۔ مقاماتِ کثیر در کشف المحجوب

۷۔ ہجویری،علی بن عثمان الجلابی،کشف المحجوب، (مترجم: غلام معین الدین نعیمی)، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ، ۲۰۱۰ء،ص ۵۸۳

۸۔ ایضاً، ۲۹۴

۹۔ نظامی،خلیق احمد،تاریخ مشائخ چشت،لاہور: مشتاق بک کارنر،س ن،ص ۱۲۴، ۱۲۵

۱۰۔ شمس بریلوی، دیباچہ کشف المحجوب، (مترجم: غلام معین الدین نعیمی)، لاہور: قادری رضوی کتب خانہ، ۲۰۱۰ء،ص ۱۸

۱۱۔ یزدانی،عبدالمجید،گنج بخش بحیثیت عالم،لاہور: الحقائق فاؤنڈیشن، ۲۰۱۳ء،ص ۴۹

۱۲۔ فاطر:۲۸

۱۳۔ ابنِ ماجہ،محمد بن یزید قزوینی،سنن ابن ماجہ،ریاض: دارالسلام، ۱۴۲۲ھ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم،رقم ۲۲۰

۱۴۔ علی ہجویری،کشف المحجوب،(مترجم: غلام معین الدین نعیمی)،ص ۴۴

۱۵۔ البقرۃ:۱۰۲

۱۶۔ مسلم بن حجاج،امام،صحیح مسلم،ریاض: دارالسلام،۱۴۲۱ھ، باب التعوذ من شر ما عمل و من شر مالم یعمل، رقم ۴۸۹۹

۱۷۔ البقرۃ:۱۰۱

۱۸۔ علی ہجویری،کشف المحجوب،(مترجم: غلام معین الدین نعیمی)،ص ۴۵، ۴۶

۱۹۔ ایضاً،ص ۴۶

۲۰۔ ایضاً،ص ۴۷

۲۱۔ بنی اسرائیل:۸۵
۲۲۔ البقرۃ:۱۹
۲۳۔ البقرۃ:۲۸۲
۲۴۔ علی ہجویری، کشف المحجوب، (مترجم: غلام معین الدین نعیمی)، ص ۴۸
۲۵۔ ایضاً، ص ۴۹
۲۶۔ ایضاً، ص ۵۱
۲۷۔ الشوریٰ:۱۱
۲۸۔ علی ہجویری، کشف المحجوب، (مترجم: غلام معین الدین نعیمی)، ص ۵۳
۲۹۔ ایضاً، ص ۵۶
۳۰۔ ایضاً، ص ۵۹
۳۱۔ یزدانی، عبدالمجید، گنج بخش بحیثیت عالم، ص ۱۸۷، ۱۸۸

◆◆◆

سلسلہ شاذلیہ کے صوفیانہ افکار کا تحقیقی جائزہ

(متقدمین صوفیاء شاذلیہ کے افکار کی روشنی میں)

ڈاکٹر غلام شمس الرحمن ☆

Abstract:

The Shadhiliyya is the most celebrated Sufi Order of North Africa. The Order flourished during the course of thirteen and fourteenth centuries when Cairo became the centre of Muslim world after the fall of Baghdad. The Order inspired the people across the Muslim world. Shaykh Abu al-Hasan al-Shadhili(d. 654/1258※(the founder of the Oder, is considered as a scholar well established in the erudition and piety of his times. There were not only the leading scholars but also the ruling and middle class of North Africa impressed by his knowledge and spirituality. His Sufi ideas resound till now in the writing of his adherents particularly in the works of Sheikh Abu al-'Abbas al-Mursi(d. 686/1288※(Ibn'Ata Allah al-Iskandari (d. 709/1309※(Ibn Sabbagh (720/1320.(This paper aims to elaborate and analyze the spiritual thoughts of Shaykh al-Shadhili and other leading early Sufis of the Order. Moreover, the present study tends to examine the basic teachings of Shaykh al-Shadhili and his method of synthesizing the Shari'a with Tariqa. This study

☆ ایسوی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

also helps us in understanding the socio-religious impact of the Shadhilyya on Muslim society in historical perspective.

Keywords:

Sufism, North African tradition of Sufism, The Shadhiliyya, Intellectual history of Egypt in thirteenth century, Shaykh Abu al-Hasan al-Shadhili

ساتویں/ تیرہویں صدی تصوف کے ارتقاء اور فروغ کے حوالے سے بہت اہم شمار کی جاتی ہے۔ اس عہد کے سیاسی پس منظر نے ایک ایسا ماحول فراہم کیا جس میں صوفیانہ طرق اور ان کے افکار کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ مشرقی حصہ خلافت منگولوں کے حملے کی زد میں تھا تو دوسری طرف مغربی حصہ خلافت میں بھی مسلم سلطنتیں کمزور ہو رہی تھیں۔ مصر میں ایوبی اور مغرب میں موحدین کی حکومتیں اسی صدی میں زوال پذیر ہو گئیں۔ ان بدلتے حالات میں نئے سیاسی، فکری اور روحانی راہنماؤں کے لئے مناسب موقع تھا کہ وہ اس سیاسی وفکری خلا کو پر کریں۔ مغرب میں مرینی اور حفصی حکمرانوں نے جبکہ مصر میں مملوک حکمرانوں نے طاقت کے اس خلا کو پر کیا۔ مصر میں مملوک کا کردار اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ انہوں نے منگولوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکا اور مسلم دنیا کے رہنما کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آئے۔ اس سیاسی طاقت کے باوصف مملوک حکمرانوں کے زیر اثر مصر اس عہد کے اہم ترین علمی وفکری تحریکوں کا بھی مرکز بن گیا۔ مصر کو یہ علمی مرکزیت نہ صرف مشرق میں ہونے والی غیر یقینی صورتحال سے حاصل ہوئی بلکہ دوسری طرف مغرب الاقصی میں موحدین کی حکومت بھی اپنے بام عروج کو پہنچ کر زوال پذیر ہو رہی تھی اور وہاں کئی ایک چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستیں خصوصاً مرینی اور حفصی حکومتیں وجود میں آ چکی تھیں۔ اس پس منظر میں مصر کو ایک خاص علمی وسیاسی مرکزیت حاصل ہو گئی اور مشرق ومغرب سے علماء ومفکرین اور صوفیاء نے مصر کا رخ کیا۔ مملوک حکمران اس لحاظ سے قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے اس انسانی اور عقلی سرمایہ کی قدر کی اور ایک ایسا ماحول فراہم کیا جس میں ملت اسلامیہ کی تشکیل نو کے لئے مربوط کاوشیں کی جا سکیں۔(1)

سلسلہ شاذلیہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس کے بانی شیخ ابوالحسن علی شاذلی (593/1197-656/1258) کی وفات سے چند ماہ قبل منگولوں کے ہاتھوں بغداد تباہ ہو چکا تھا۔(2) شیخ ابوالحسن شاذلی بنیادی طور پر مغرب الاقصی میں پروان چڑھنے والے مخصوص صوفی افکار کے

نمائندہ تھے جوان کے معاصر اور پیشرو صوفیہ مغرب کے ہاں پائے جاتے تھے۔ ان میں شیخ شاذلی کے روحانی پیشوا شیخ عبدالسلام ابن مشیش (م625/1228) ہیں جنہوں نے شیخ ابو مدین شعیب مغربی (م 594/1197) سے کسب فیض کیا۔ شیخ ابو مدین مغربی نے بنیادی تعلیم و تربیت شیخ ابو یعزیٰ (م 572/1176) سے حاصل کی۔[3] تاہم ان کی ملاقات سفر حجاز کے دوران شیخ عبدالقادر جیلانی (م561/1166) سے بھی ہوئی جنہوں نے انہیں خرقہ خلافت عطا کیا۔[4] اس لحاظ سے سلسلہ شاذلیہ، سلسلہ قادریہ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

مغرب کے تمام قابل ذکر صوفیہ کے ہاں یہ روایت ایک مستحکم حیثیت سے پائی جاتی ہے کہ انہوں نے علوم وفنون کی تحصیل کے لئے مشرق کا رخ کیا اور ان میں سے بیشتر مشرق یا پھر مصر میں اقامت گزیں ہو گئے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی کے معاصر شیخ اکبر ابوبکر ابن عربی (560/1165-638/1240)) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جو روحانی سفر پر اندلس اور مغرب سے نکلے۔ آپ نے 599/1202 میں حج ادا کیا اور بالآخر مشرق میں مقیم ہو گئے اور دمشق میں وفات پائی۔[5]

مغربی تصوف کی بنیادی تعلیمات کا ایک قابل قدر حصہ مشرق میں پروان چڑھنے والی صوفی روایت پر مشتمل ہے۔ اسلام کی طرح تصوف اسلامی کی بنیادیں بھی مشرق میں رکھی گئیں اور پھر اس کا دائرہ عمل مغرب کی طرف منتقل ہوا۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ مشرقی تصوف کی ایک امتیازی تشکیل ایک خاص مکاں اور ماحول میں ہوئی۔ عباسی حکمرانوں کے زیر اثر مخصوص سیاسی و سماجی ماحول میں صوفی روایات وجود میں آئیں جبکہ مغرب میں مسلم معاشرہ کی تشکیل مشرق کے برعکس عباسی اقتدار سے دور عربوں اور بربر اقوام کے باہمی سماجی وتہذیبی اقدار کے زیر اثر تشکیل پائی۔ ایک ایسے ماحول میں جب مغرب نے اپنا تعلق مشرق میں قائم ہونے والی مسلم خلافت سے عملاً منقطع کرلیا اور ایک آزاد ماحول میں علوم وفنون کی تحصیل میں امتیازی طریقے سے جدوجہد کی۔ نتیجتاً مغرب میں تصوف کی فکری روایت اپنے مزاج اور صورت دونوں میں ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم چھٹی/ بارہویں صدی سے قبل مغرب میں تشکیل پانے ولی مسلم فکر کا اس طرح جائزہ نہیں لیا گیا جیسا کہ اس کے بعد ہمیں نظر آتا ہے۔

اسلامی تصوف کی کئی ایک صورتیں قرون وسطیٰ میں ظہور پذیر ہوئیں۔ ان مختلف اقسام کی بدولت یہ مشکل ہے کہ ایک عالمی تصوف (Universal Sufism) کو بطور نمونہ پیش کیا جا سکے۔ یقیناً اباحی اور ملامتی صوفی رجحانات (Antinomian trends) کبھی بھی صوفیہ کے ایک کثیر گروہ میں مقبول عام نہیں

ہوئے بلکہ ان کے بجائے وہ تصوف جس میں ایک گونہ تطابق شرعی پایا جاتا ہے، جمہور صوفیہ کی توجہ کا مرکز رہا۔ یہ صوفیہ حقیقت مطلقہ کی بات ضرور کرتے تھے لیکن عالم صحو میں رہتے ہوئے۔ عالم سکر کی باتیں ان میں بہت زیادہ مقبول عام نہ ہوسکیں خصوصاً حلاج (م309/922)[6] کی صلیب کے بعد صوفیہ میں صحویت کا رجحان اور بھی نمایاں ہو گیا اور وہ حقائق توحید کی تفسیر وتشریح میں شریعہ کو ہمیشہ ایک رہنما کی حیثیت سے مدنظر رکھتے تھے جس کی وجہ سے ایک معیاری ورسمی تصوف (Normative Sufism) وجود میں آیا۔

سلسلہ شاذلیہ بھی انہی سلاسل میں سے ایک ہے جن کے ہاں تصوف کی وہی صورت مقبول رہی جو شریعت سے ایک خاص توافق رکھتی تھی۔ شیخ ابوالحسن شاذلی 593/1197 میں مغربی مراکو کے علاقے غمارہ میں موحدین کے آخری دور میں پیدا ہوئے۔ آپ حسنی النسب تھے۔ آپ نے مالکی فقہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی جو کہ مغرب کی مقبول عام فقہ تھی۔ فقہ مالکی میں مہارت کے باعث اس عہد کے فقہاء کے ہاں آپ کو ایک مقام حاصل تھا۔ شیخ مخلوف نے طبقات المالکیہ میں آپ کا شمار مصر کے مالکی فقہاء میں کیا ہے۔[7]

علم فقہ کے ساتھ علم تصوف کے لئے وہ تطوان (Tetuan) روانہ ہوئے جہاں ان کی ملاقات شیخ عبدالسلام بن مشیش سے جبل عالم میں ہوئی۔ جس طرح شیخ عبدالقادر جیلانی قطب مشرق کے طور پر جانے جاتے ہیں، شیخ ابن مشیش قطب مغرب کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔[8] شیخ ابوالحسن شاذلی کی ذات پر ابن مشیش کے بہت زیادہ اثرات ہیں۔ شیخ ابن مشیش کے پاس ایک عرصہ تک تربیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے ان کے حکم سے شاذلہ کی طرف رحلت سفر باندھا۔ شاذلہ تیونس (Tunisia) میں واقع ہے۔ اس علاقے میں قیام کی نسبت کی وجہ سے آپ شاذلی کی نسبت سے معروف ہو گئے۔[9] شاذلہ میں زہد و ریاضت کے بعد آپ نے تیونس میں باقاعدہ صوفی زاویہ (625/1228) میں قائم کیا۔ یہ وہ دور ہے جب حفصی سلطنت کا بانی ابوزکریا گورنر کی حیثیت سے تیونس آیا تھا۔ وہ شیخ ابوالحسن شاذلی سے خاص ارادت رکھتا تھا۔[10] شیخ ابوالحسن شاذلی کے طریقہ نے زندگی کے مختلف طبقات سے وابستہ لوگوں میں پذیرائی حاصل کی۔ عوامی پذیرائی اپنی جگہ تاہم متمدن شہری (سول سوسائٹی) اور خاص طور پر اشرافیہ اور شاہی خاندان کے لوگ اس سلسلہ سے بہت متاثر ہوئے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی نے تیونس کے قیام کے دوران کئی بار مصر اور حجاز کا سفر کیا۔ مصر میں ایوبی حکمران

آپ کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے اور انہوں نے سکندریہ میں آپ کے نام بیش قیمت زمین وقف کی تھی۔[11] شیخ ابوالحسن شاذلی 642 / 1244 میں علماء ومشائخ اور مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ اسکندریہ تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے باقاعدہ زاویہ کی بنیاد رکھی۔ تیونس کی طرح مصر میں بھی سلسلہ شاذلیہ کو بہت پذیرائی ملی۔ اشرافیہ اور اس دور کے معروف مذہبی علماء نے خود کو آپ سے وابستہ کر لیا۔ شیخ عزالدین ابن عبدالسلام (م660 / 1262) اور علی ابن الدقیق العید (م 667 / 1269) اور شافعی محدث شیخ عبدالعظیم منذری (م656 / 1258) شمس الدین اصفہانی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[12]

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلی نہ صرف مجاہدہ نفس پر زور دیتے تھے بلکہ عملاً جہاد میں بھی شریک ہوئے۔ آپ نے مصری سپاہ کے ہمراہ منصورہ کی جنگ میں عملی طور پر شرکت کی۔ یہ جنگ بنیادی طور پر فرانس کے Saint Louis کی زیر قیادت ساتویں صلیبی جنگ تھی۔ جس میں دو Saints ایک دوسرے کے خلاف عملاً برسر پیکار ہوئے۔[13] مابعد کے شاذلی صوفیاء کا رباط تعمیر کرنا اور عملی طور پر جہاد میں حصہ لینا غالباً شیخ ابوالحسن شاذلی کے اس عمل سے مستعار لیا گیا تھا۔

شیخ ابوالحسن شاذلی نے شوال، 656 / 1258 میں وفات پائی۔ آپ حج ادا کرنے کے لئے مکۃ المکرمہ روانہ تھے کہ راستے میں بیمار پڑ گئے اور بحیرہ احمر کے قریب مصر کے مشرقی صحراء میں حمیثرہ کے قریب وفات پا گئے۔[14]

شیخ شاذلی نے بذات خود کوئی کتاب تصنیف نہیں کی تاہم آپ نے چند احزاب مرتب کئے جو کہ قرآنی آیات پر مشتمل تھے۔ ان میں سے حزب البحر اور حزب الانوار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ احزاب سلسلہ شاذلیہ کے پیروکاروں میں خاص طور پر مقبول ہیں اور کئی ایک اہم مشائخ نے ان کی تشریحات وتعبیرات کی ہیں۔ ان احزاب و اوراد کا بنیادی موضوع خدا کی واحدانیت کا اثبات ہے جو روحانی طور پر انسانی روح اور اس کے عمل کے اندر تبدیلی کا باعث بن سکتا ہے۔ تمام مسلمان چاہے وہ روحانی طور پر کسی درجہ پر فائز ہیں ان اوراد سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ تاہم سلسلہ شاذلیہ کے روحانی تربیتی طریقہ کار میں یہ اوراد بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ وہ انہیں تزکیہ نفس، زہد وتوکل اور خدائی صفات سے متصف ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ سلسلہ شاذلیہ میں ان اوراد کا دن میں تین مرتبہ ورد بہت اہم شمار کیا جاتا ہے۔ صبح، ظہر اور شام کے اوقات میں۔ یہ اوراد خاص طور پر الھیاتی نظام کے

اوپر تفکر وتدبر کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

شیخ ابوالحسن شاذلی کے ابتدائی پیروکار:

شیخ ابوالحسن شاذلی کے بعد شیخ ابوالعباس مرسی ان کے جانشین بنے۔ شیخ مرسی اندلس کے شہر مرسیہ میں 616/1220 میں پیدا ہوئے۔ مرسیہ کی علمی وصوفی روایت میں شیخ مرسی کے معاصر شیخ اکبر ابن عربی اور ابن سبعین (م699/1271) جیسے مشائخ پائے جاتے ہیں۔ شیخ مرسی پچیس برس کی عمر میں اپنے والدین کے ہمراہ مکہ کی طرف عازم سفر ہوئے لیکن الجیریا کے ساحلوں پر ان کا جہاز تباہ ہوگیا اور ان کے والدین اس حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شیخ مرسی کی اس دوران شیخ ابوالحسن شاذلی سے ملاقات ہوئی اور وہ آپ کے ساتھ تیونس میں قیام پذیر ہو گئے۔ شیخ مرسی، شیخ ابوالحسن شاذلی کے ساتھ تیونس سے اسکندریہ چلے گئے اور وہ شیخ ابوالحسن شاذلی کی وفات تک ان کے ساتھ رہے اور بعد میں ان کے جانشین کے طور پر سکندریہ میں سلسلہ شاذلیہ کے شیخ کے طور پر تیس برس تک سکندریہ میں اپنی وفات (683/1284) تک مقیم رہے۔[15]

آپ نے شیخ ابوالحسن شاذلی کے برعکس اس دور کی اشرافیہ اور شاہی خاندان سے تعلقات نہیں رکھے اور کبھی ان سے کوئی ہدیہ قبول نہیں کیا[16] تاہم وہ اکثر اوقات قاہرہ جاتے تھے اور وہاں کے علماء کے ساتھ ان کے علمی روابط استوار تھے۔ شیخ مرسی نے بھی کوئی کتاب تحریر نہیں کی۔ آپ نے چند ایک احزاب مرتب کئے جو آج تک شاذلی حلقوں میں مقبول عام ہیں۔ تاہم آپ کے حلقہ درس میں مندرجہ ذیل کتب کی تعلیم خصوصی طور پر دی جاتی تھی۔ التھذیب، رسالہ ابن ابی زید، الارشاد فی الاصول، المصابیح فی الحدیث، تفسیر ابن عطیہ، الاحیاء از امام غزالی، قوت القلوب ابو طالب المکی، نوادر از الترمذی الحکیم۔ آپ کے مریدین میں مصری شاعر امام بوصیری (م694/1295) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن کا قصیدہ بردہ اور قصیدہ ھمزیہ بہت مشہور ہیں۔[17]

شیخ کے خلفاء میں شیخ یاقوت العرشی (م732/1332) ممتاز مقام رکھتے تھے۔ آپ حبشی النسل غلام تھے۔ ایک تاجر نے شیخ ابوالعباس مرسی کو تحفہ میں آپ کو دیا۔ شیخ مرسی نے آپ کی تعلیم وتربیت کی اور آپ کو یاقوت عرشی کا لقب دیا۔ شیخ مرسی کہا کرتے تھے کہ اس کا دل ودماغ عرش کی طرف لگا ہوا ہے۔ اگرچہ اس کا بدن زمین پر ہے لیکن عرش پر ہونے والے امور کو یہ سن رہا ہے۔ شیخ یاقوت کی شیخ ابوالعباس مرسی سے اس قدر قربت اور محبت تھی کہ انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی شیخ یاقوت سے کر دی۔[18] اسی طرح

شیخ کے فارسی النسل مرید شیخ نجم الدین اصفہانی (م 721/ 1321) تھے۔ وہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور ان کے باعث سلسلہ شاذلیہ نے حجاج میں فروغ پایا۔ شیخ یافعی (م 768/ 1367) نے شیخ اصفہانی سے کسب فیض کیا اور آپ سے مشہور شیعی صوفی سلسلہ نعمت اللہی نے فیض حاصل کیا۔ اس واسطے سے نعمت اللہی سلسلہ، شاذلیہ کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ تاہم سب سے اہم مرید شیخ ابن عطااللہ اسکندری (م 709/ 1309) ہیں جنھوں نے عملی طور پر سلسلہ شاذلیہ کی تعلیمات مرتب کیں اور اس سلسلہ کی علمی اور روحانی روایت کو دوام بخشا۔[19]

سلسلہ شاذلیہ کی بنیادی تعلیمات:

شیخ ابوالحسن شاذلی نے اپنے طریقہ کی بنیاد خاص طور پر نظریہ توحید پر رکھی اور اس طریقہ کا مقصد اللہ کی ذات کا تحقق اور اس کی معرفت حاصل کرنا تھی جس کے لئے وہ عقل اور نزھت روح کے اوپر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ معرفت کے حصول کے لئے وہ شریعہ اور اشعری نظام عقائد کو رہنما کی حیثیت سے تسلیم کرتے تھے۔ وہ اپنے معاصر شیخ اکبر ابن عربی (م 638/ 1240) کے نظریہ وحدۃ الوجود کے برعکس ذکر اسماء الحسنیٰ کو روحانی ارتقاء کا اہم ترین ذریعہ سمجھتے تھے۔ عقیدہ توحید کا اثبات اور اسماء الحسنیٰ کا ورد سلسلہ شاذلیہ کی تعلیمات کے اہم ترین عناصر گردانے جاتے ہیں۔

شیخ ابوالحسن شاذلی عقیدہ کی تصحیح پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں جس کے بغیر معرفت کا حصول ممکن نہیں۔ بایں ہمہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ شاذلی مشائخ نے شیخ اکبر ابن عربی کا دفاع کیا ہے اور ان کے خلاف لکھنے والوں خصوصاً علامہ ابن تیمیہ (م 728/ 1328) کی تردید کی۔ ابتدائی عہد میں شیخ ابوالحسن شاذلی اور ان کے قائم کردہ تیونس کے زاویہ اور وہاں تربیت پانے والے مریدین کا احوال اور ان کے اثرات کا کوئی خاص حوالہ نہیں ملتا۔ اس عہد کی کتب طبقات میں بھی اس کی تفصیل نہیں پائی جاتی۔ سوائے اس کے کہ ہمیں یہ حوالہ ملتا ہے سلطان الملک مغزالدین (م 655/ 1257) شیخ ابوالحسن شاذلی کا ارادت مند تھا اور شیخ کے بتائے ہوئے طریقہ اوراد پر کاربند تھا۔[20]

شیخ ابوالحسن شاذلی کے قائم کردہ صوفی زاویے خواہ وہ تیونس میں ہوں یا اسکندریہ میں وہ اپنی ہیئت میں اس عہد کے صوفی خانقاہوں سے مماثلت نہیں رکھتے۔ اسی طرح ان کے قائم کردہ زاویوں میں تربیت پانے والے سالکین بھی کوئی امتیازی خرقہ یا لباس زیب تن نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس وہ لباس اور

وضع قطع میں عام لوگوں کی طرح رہتے تھے اور کئی ایک تو ان میں سے بانی طریقہ کی طرح شاندار لباس پہنتے تھے۔ اس طرح سلسلہ شاذلیہ کے زاویہ میں کسی مخصوص لباس اور مخصوص طبقہ کی قید نہیں تھی۔ وہ مختلف طبقہ حیات سے تعلق رکھتے تھے جو دنیاوی زندگی سے بھاگ کر مشاہداتی زندگی کی طرف نہیں آئے تھے بلکہ وہ معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے اپنی زندگی کے معمولات بجالا رہے تھے اور اس کے ساتھ وہ روحانی مشاہدہ اور مراقبہ بھی کرتے تھے۔ شاذلیہ کے ہاں یہ طریقہ عہد نبوی کے معاشرہ سے اخذ شدہ تھا۔ جہاں پر مسلمان بغیر کسی امتیازی نشانیوں کے اکٹھے رہتے تھے اور روزمرہ کے سماجی امور کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ روحانی ارتقاء کے لئے ذکر پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔

اس دور کا سیاسی منظر نامہ بھی ایسا تھا جس کی وجہ سے سلسلہ شاذلیہ کو خاص پذیرائی حاصل ہوئی۔ ملک الظاہر بیبرس (658/1260-676/1277) نے مملوک حکمرانوں کے اقتدار کو مصر اور شام میں مستحکم کیا اور سنی اسلام کو مصر میں حیات تازہ بخشی۔ اسماعیلیوں اور شیعوں کی طاقت کو ختم کیا اور شام اور مصر میں علم وادب اور تعمیر کے نئے پیرائے متعارف کرائے۔ مملوک حکمرانوں نے عملی طور پر تصوف کی سرپرستی کی جس کی وجہ سے ایک ایسا ماحول وجود میں آیا جہاں پر شاذلیہ کو خاص پذیرائی حاصل ہوئی۔ ابتدائی شاذلی صوفی نہ صرف تصوف سے وابستہ تھے بلکہ اسلام کے قانونی اور کلامی مباحث میں بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ اشعری نظام الاعتقاد کے پیروکار تھے لیکن امام ابوالحسن اشعری (م324/935) کے ساتھ ساتھ امام غزالی (م505/1161) کے نقطہ نظر کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔ خصوصاً وہ توجیہات اور اضافے جو امام غزالی نے اشعری نظام فکر میں کئے تھے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شاذلیہ کا تصوف اشعری نظام العقائد کے اوپر مبنی ہے اور نہ ہی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اشعری نظام فکر ان کے نظام کا جزء غیر منفک ہے۔ تاہم یہ بات مسلم ہے کہ شاذلی عقیدے کی درستی پر خاص توجہ دیتے ہیں اور اس کی تصحیح قرون اولی کے علماء کی تعبیرات سے لیتے ہیں۔[21] شاذلیہ کے ہاں ابتدائی صوفی مشائخ اور ان کی کتب کا خاص مقام ہے۔ وہ اس سلسلے میں حکیم ترمذی (م285/898) کی ختم الولایۃ اور ابو طالب مکی (386/996) کی قوت القلوب اور امام غزالی کی احیاء علوم الدین، ابن عطیہ کی المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز اور قاضی عیاض کی الشفاء فی تعریف حقوق المصطفی کو ایک خاص مقام دیتے ہیں۔[22]

تاہم سلسلہ شاذلیہ کی تعلیمات کا خلاصہ شیخ ابن عطا اللہ کی کتب میں پایا جاتا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ کتاب الحکم۔

2۔ التنویر فی اسقاط التدبیر۔

3۔ لطائف المتن ۔

4۔ القسط المجرد فی معرفۃ اسم المفرد۔

5۔ مفتاح الفلاح ومصباح الارواح۔

تمام شاذلی تعلیمات کا نچوڑ ان مذکورہ بالا کتب کے اندر موجود ہے۔اس کے بعد بھی مشائخ نے بہت ساری کتب لکھی ہیں لیکن بیشتر مشائخ شاذلیہ نے شیخ ابن عطاء اللہ کی کتب کی تشریحات اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق کی ہیں۔شیخ ابن عطاء اللہ کو شاذلی حلقوں کے علاوہ دیگر صوفی سلاسل میں بھی ان کی کتاب الحکم کی وجہ سے بہت زیادہ عزت دی جاتی ہے۔

شیخ ابن عطا اللہ سکندری نے شیخ ابوالحسن شاذلی اور شیخ ابوالعباس المرسی کی حیات اور افکار پر ''لطائف المنن'' کتاب تصنیف کی۔اس کے علاوہ شیخ ابن صباغ نے ''درۃ الاسرار وتحفہ الابرار'' کے نام سے شیخ ابوالحسن شاذلی کی افکار اور حالات زندگی مرتب کی۔ یہ دونوں کتب شیخ کے حیات و افکار کے بارے میں تمام بنیادی معلومات فراہم کرتی ہیں۔ یہاں یہ مناسب محسوس ہوتا ہے کہ شیخ ابوالحسن شاذلی کے چند اقوال ذکر کئے جائیں جن سے ان کے افکار کا اندازہ کیا جا سکے۔جیسا کہ ہم نے ابتدا میں ذکر کیا کہ شیخ کا نظریہ تصوف میں کتاب وسنۃ کا اتباع سب سے اہم درجہ رکھتا ہے۔وہ لکھتے ہیں جب کسی کا کوئی صوفیانہ کشف کتاب وسنۃ سے متعارض ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے کشف کو چھوڑ کر قرآن وسنت کی پیروی کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب وسنت کی عصمت وتقدیس کی ضمانت دی ہے جبکہ کسی کشف الہام اور مشاہدہ کے صحیح ہونے کی ضمانت نہیں دی۔وہ مزید لکھتے ہیں کہ جب آدمی کا نفس خدا کی ذات سے تنازع کرنے سے رک جائے تو مؤحد بن جاتا ہے اور جب وہ ارکان شریعۃ پر عمل پیرا ہو تو وہ صحیح معنوں میں سنت کے اوپر عمل کرنے والا ہوتا ہے اور جب وہ طریقت اور شریعت دونوں کو جمع کرے تو تب ہی وہ اپنے ایمان کے تحقق کی بات کر سکتا ہے۔[23]

شیخ ابوالحسن شاذلی کہتے ہیں شیخ وہ ہے جو تمہارے لئے راحت کا سامان پیدا کرے نہ کہ وہ جو تمہارے لئے تھکاوٹ کا موجب ہو۔وہ کہتے ہیں میں نے اپنے شیخ عبدالسلام ابن مشیش سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ''یسروا ولا تعسروا''[24] کا مفہوم پوچھا تو آپ نے فرمایا لوگوں کی اللہ کی طرف رہنمائی کرو اور اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف انہیں راغب نہ کرو۔وہ شخص جو تمہیں دنیا کی طرف راغب

کرتا ہے وہ تمہیں برباد کرتا ہے۔ وہ شخص جو تمہیں اللہ کی طرف راغب کرتا ہے وہ تمہارے لئے آسانی پیدا کرتا ہے اور وہ شخص جو تمہیں عمل کی بجا آوری کی ہمیشہ تاکید کرتا ہے وہ تمہیں تھکا دیتا ہے۔(25)
شیخ مکین الدین الاسمر کہا کرتے تھے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف لے جاتے ہیں جبکہ شیخ ابوالحسن شاذلی انہیں اللہ کے حضور حاضر کرتے تھے۔(26)

شیخ عبدالسلام ابن مشیش کا قول شیخ ابوالحسن شاذلی نقل کرتے ہیں:

''**کان یقول اوصانی اساتذی رحمه الله تعالیٰ فقال: جدد بصر الایمان تجدالله فی کل شئ، وعند کل شئ، ومع کل شئ، وفوق کل شئ، وقریباً کل شئ، ومحیطاً بکل شئ۔**''(27)

''شیخ ابوالحسن شاذلی کہا کرتے تھے کہ میرے استاد (شیخ عبدالسلام ابن مشیش) رحمۃ اللہ علیہ، فرماتے تھے اپنی بصارت ایمان کو جلا بخشو تا کہ تم اللہ کو پا سکو ہر شے میں، ہر شے کے پاس، ہر شے کے ساتھ، اور ہر شے کے قرب۔ اس کی ذات نے احاطہ کیا ہوا ہے ہر شے کا''۔

شیخ ابوالحسن شاذلی اوراد و وظائف کی ادائیگی پر خاص زور دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اعبد ربک حتی یاتیک الیقین (اپنے پروردگار کی عبادت کرو یہاں تک کہ تمہیں یقین کی دولت حاصل ہو جائے)۔ شیخ ابوالحسن شاذلی کہا کرتے تھے کہ انسان کی زندگی کے ہر لمحے میں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے لئے ہے۔ جو اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کو یاد کیا جائے اور سانسیں انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ پس اللہ کی یاد سے اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے انسان کو فراغت مل ہی نہیں سکتی کہ وہ اپنے بارے میں تدبیر کرے۔ کوئی بھی اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ وہ اپنی ذات کو محو کر دے۔ شیخ شاذلی مزید لکھتے ہیں: ایھا السابق الی سبیل نجاتہ الشائق الی حضرۃ جنابہ، اقلل النظر الی ظاھرک ان اردت فتح باطنک لاسرار ملکوت ربک ''اے نجات کے رستہ کی طرف پیش قدمی کرنے والے، اور اللہ کے حضور حاضر ہونے کے خواہش مند، اپنی توجہ ظاہر داری میں کم کر دے اگر تو اپنے پروردگار کی بادشاہی کے اسرار و رموز جاننے کے لئے فتح باطنی چاہتا ہے''۔(28)

اسقاط تدبیر شاذلیہ کے ہاں اہم ترین صوفی ریاضت ہے جس کے بغیر فتح باطنی ممکن نہیں۔ ابن عطاءاللہ اسکندری نے اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر کتاب التنویر فی اسقاط التدبیر تحریر کی۔

امام شعرانی ابن عطا اللہ سکندری کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن شاذلی نے کہا کہ کوئی عالم اس وقت تک مقام علم میں مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ چار آزمائشوں میں نہیں ڈالا جاتا۔

۱۔ دشمنوں کا گالی دینا۔

۲۔ دوستوں کا ملامت کرنا۔

۳۔ جاہلوں کا طعنہ دینا۔

۴۔ علماء کا حسد کرنا۔

اور جب وہ اس پر صبر کرے تو اللہ اس کو ایسا پیشوا بنائے گا جس کی پیروی کی جائے گی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ان آزمائشوں میں خود شیخ شاذلی مبتلا کئے گئے۔ ابوعلی الکوھن لکھتے ہیں کہ جب مغرب میں آپ کو لوگوں میں پذیرائی حاصل ہوئی تو اس دوران ان کے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے۔ انہوں نے شیخ شاذلی کو بہت اذیتیں دیں اور لوگوں کو ان سے ملنے سے منع کیا۔ چنانچہ شیخ شاذلی نے مصر کا رخ کیا۔ تاہم حاسدین نے ان کے اسکندریہ پہنچنے سے قبل ہی بادشاہ مصر اور اسکندریہ کے لوگوں کو یہ مطلع کر دیا تھا کہ ایک زندیق آپ کے ملک میں آ رہا ہے جس کو ہم نے اپنے ملک سے نکال دیا ہے۔ اسکندریہ میں آپ کو مختلف اذیتیں دی گئیں۔ بالآخر ایک مجرم کی حیثیت سے آپ کو بادشاہ مصر کے پاس لے جایا گیا۔ لیکن بادشاہ آپ کی علمیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور آپ کو بصد تکریم اسکندریہ واپس بھیج دیا۔ اور بذات خود آپ سے ملنے کے لئے اسکندریہ آیا۔ اس واقعہ کے دوررس نتائج مرتب ہوئے۔ سلطان کو یہ بتایا گیا تھا کہ آپ کو کیمیا گری آتی ہے۔ چنانچہ اس نے کیمیا گری سیکھنے کی خواہش کی تو شیخ ابوالحسن شاذلی نے فرمایا: کیمیاؤنا التقوی، فاتق اللہ یعلمک حرف ''کن''۔ ہمارا کیمیا ہمارا تقویٰ ہے۔ پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں وہ علم بخشے گا کہ جو کچھ تم کرنا چاہو گے ویسا ہو جائے گا۔ اس واقعہ کے بعد سلطان آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا اور ساری زندگی آپ کی عزت و احترام کرتا رہا۔(29) شیخ العز بن عبدالسلام نے شیخ ابوالحسن شاذلی سے علم تصوف حاصل کیا۔(30) شیخ تقی الدین ابن دقیق العید کہا کرتے تھے ''ما رأیت أعرف باللہ من شیخ ابی الحسن الشاذلی''۔(31)

شاذلیہ: محبت رسول، اصول خمسہ اور فقہ مالکی:

متقدمین مشائخ شاذلیہ کے ہاں معرفت توحید کے ساتھ ساتھ، رسول اللہ ﷺ سے والہانہ

محبت کے عناصر بھی نمایاں ملتے ہیں۔قرون اولی کے صوفیہ کے ہاں معرفت توحید بنیادی مقصد کے طور پر پایا جاتا ہے تاہم قرون وسطی میں شاذلیہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والے صوفی افکار میں معرفت وفنا فی رسول کے تصورات بہت نمایاں ہو کر سامنے آئے۔احزاب شاذلیہ، قصدیہ بردہ، دلائل الخیرات وغیرہ کے مطالعہ سے یہ بات مزید آشکارا ہو جاتی ہے۔شیخ ابوالحسن مرسی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں: چالیس برس سے ایک لمحہ کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ میری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہوئے اور اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی میری آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں تو میں خود کو مسلمانوں میں شمار نہ کرو۔

"یقول ابو الحسن المرسی اربعون سنة ما حجبت عن رسول الله ﷺ طرفة عین و لو حجبت طرفة عین ماعددت نفسی من المسلمین"۔(32)

متقدمین شاذلی صوفیاء نہ صرف تصوف کی تعلیمات اور رسوم کے بارے میں ندرت فکر سے کام لینے کی اہمیت کے قائل تھے بلکہ وہ اسلامی شریعۃ اور سنی اشعری نظام الاعتقاد کو بھی بہت اہمیت دیتے تھے۔گویا وہ اسلام کے باطنی نظام کے ساتھ اسلام کی ظاہری شریعہ اور احکام کی اہمیت سے آگاہ تھے ان کے ہاں اشعری نظام فکر صرف وہ نہیں جو شیخ ابوالحسن اشعری نے مرتب کیا بلکہ وہ بعد کے سنی متکلمین کو بھی خاص اہمیت دیتے ہیں۔خصوصاً امام غزالی اور ان کی کلامی تعبیرات، بایں ہمہ یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ شاذلی صوفی طریقہ اشعری علم الکلام اور اس کی تعبیرات کی نمائندگی کرتا ہے۔یا یہ کہ شاذلی تصور تصوف اشعریت کا عکس ہے۔کئی اعتبار سے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ شاذلیہ کے ہاں مذہب اور تصوف کی تشکیل جدید کی ضرورت کا احساس پایا جاتا تھا۔تاہم "خالص تجدید" کے نام پر انہوں نے مسلمانوں کے اداراتی نظام کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا اور نہ ہی اسلاف کی اتباع کے جوش میں معاصر علمی اور تہذیبی ورثہ کی تردید یا تنقیص کی۔انہوں نے قرآن وسنت کی تفہیم کے لئے ظاہری طرز فکر کی مذمت میں مبالغہ آرائی نہیں کی۔اسی طرح انہوں نے صوفی تعبیرات اور باطنی تفسیرات کی بھی ضرورت سے زیادہ ستائش نہیں کی، اس لحاظ سے شاذلی تصوف شریعہ کی متابعت پر دیگر سلاسل تصوف سے زیادہ زور دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے اوراد واحزاب بھی زیادہ تر ماثورات النبویۃ پر مبنی ہیں۔

شیخ ابوالحسن شاذلی کی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طریقہ کے مشائخ نے اس کی تعلیمات کے پانچ بنیادی اصول بیان کئے ہیں۔جن کو سلسلہ شاذلیہ کے "اصول خمسہ" کہا جاتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ظاہر اور باطن ہر دو صورت میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا

2۔ اقوال اور افعال دونوں میں سنت کی اتباع کرنا

3۔ توجہ اور عدم توجہ ہر دو صورت میں مخلوق سے اعراض کرنا

4۔ قلیل اور کثیر ہر دو صورتوں میں اللہ سے راضی رہنا

5۔ خوشحالی اور تنگی ہر دو صورتوں میں اللہ کی طرف رجوع کرنا(33)

شاذلی صوفیہ کی ایک اور اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ مالکی فقہ کے پیروکار تھے۔ خود امام ابوالحسن شاذلی، ابوالعباس مرسی، اور ابن عطا اللہ اسکندری مالکی فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔(34) شاذلیہ کی فقہ امام مالک کے ساتھ یہ وابستگی درحقیقت اس عہد کے مخصوص مکانی جغرافیائی حوالوں کے زیر اثر تھی۔ اندلس سے لے کر مصر تک تمام شمالی افریقہ میں فقہ امام مالک کو خاص پذیرائی حاصل تھی اور یہ صورتحال آج تک ویسی ہی ہے۔ شاذلیہ کا مرکز اسکندریہ تھا جو کہ مالکی فقہاء کا بھی مرکز تھا۔ جس میں اس عہد کے نامور فقہاء جیسا کہ ابن حاجب (م 646 / 1248) اور ابن المنیر (م683 / 1285) پائے جاتے تھے۔ یہ دونوں فقہاء مالکیہ شیخ ابوالحسن شاذلی کے ارادت مند بھی تھے۔ صوفیائے شاذلیہ فقہ امام مالک کی کتب کا باقاعدہ درس اپنے زوایا میں دیا کرتے تھے۔ دیگر مدرسہ ہائے فقہ کی طرح مالکی فقہ کی اپنی مخصوص کتب تھیں جو قرون اولیٰ اور وسطیٰ کے اندر مدون ہوئیں۔ متقدمین شاذلی صوفیاء کی طرح متاخرین بھی فقہ مالکیہ کے پیروکار تھے۔ ہمیں نظر آتا ہے کہ اس دور کے مالکی فقہاء بھی خصوصی طور پر شاذلی صوفی فکر سے متاثر تھے۔ ان میں ابن الحاج (م 737 / 1337) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی تصنیف ''المدخل فی فقہ امام'' فقہ مالکی کی ایک اہم کتاب تصور کی جاتی ہے۔ ابن الحاج اپنی کتب میں شیخ عطا اللہ اسکندری اور ابوالحسن شاذلی کے اقوال کثرت سے نقل کرتے ہیں۔ ابن عطا اللہ اسکندری فقہ امام مالک کے ماہر کی حیثیت سے اسکندریہ میں جانے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ صوفیائے شاذلیہ کے ہاں فقہ اور تصوف کا امتزاج بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

شاذلی صوفی اور شیخ اکبر ابن عربی:

شیخ ابوالحسن شاذلی کے معاصرین میں شیخ اکبر ابن عربی بھی شامل ہیں۔ یہ بات تاریخی لحاظ سے ثابت نہیں کہ ان دونوں مشائخ کی آپس میں ملاقات ہوئی یا نہیں تاہم شیخ اکبر کے شاگرد صدر الدین محمد قونوی (م673 / 1275) مصر میں شیخ ابوالحسن شاذلی سے ملاقات کے لئے آئے تھے۔(35) یہ بات

تو حقیقت ہے کہ وہ اپنے استاد شیخ اکبر کی طرح وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس سلسلے میں ان کی کئی ایک تصانیف موجود ہیں۔ تاہم یہ بات واضح نہیں کہ شاذلی مشائخ نے نظریہ وحدت الوجود کس حد تک اختیار کیا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاذلی مشائخ اس سلسلے میں بہت زیادہ محتاط تھے اور ابن العربی کے بارے میں کسی قسم کی بھی رائے دینے سے اجتناب کرتے تھے۔ تاہم وہ شیخ اکبر کے خلاف کسی قسم کی بحث کی تائید نہیں کرتے تھے۔ اس کا اظہار واضح طور پر ہمیں شیخ احمد زروق (م899/1493) کی تحریروں میں ملتا ہے۔

شیخ احمد زروق لکھتے ہیں کہ میرے استاد شیخ ابوعبداللہ محمد بن قاسم قوری (م872/1467) سے پوچھا گیا کہ آپ کی شیخ اکبر کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ نے کہا''ھو اعرف فی کل فن من اھل فن''،یعنی وہ تمام فنون میں اصحاب فنون سے زیادہ ماہر ہیں۔تو سوال کرنے والے نے کہا ہمارے سوال کا مقصد یہ نہیں تھا۔ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی رائے ان کے نظریات کے بارے میں کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا: ان کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں۔بعض ان کو کافر جبکہ دیگر انہیں قطب قرار دیتے ہیں۔ شیخ ابوعبداللہ قوری سے پھر سوال کیا گیا کہ آپ کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہم اس بارے میں کسی قسم کی رائے کا اظہار مناسب نہیں سمجھتے۔

شیخ احمد زروق لکھتے ہیں کہ شیخ ابوعبداللہ قوری نے یہ جواب اس لئے دیا کہ شیخ اکبر کے کلام میں بہت زیاہ مبھمات پائے جاتے ہیں۔لہٰذا اس بات کا امکان پایا جاتا ہے کہ عام آدمی اس کو نہ سمجھ پائے اور گمراہی کا شکار ہو جائے۔ جبکہ دوسری طرف شیخ اکبر پر تنقید و تنقیص کی صورت میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ ابن عربی کے بارے میں غلط رائے قائم کرے جبکہ ان کا مقام اس سے بہت بلند ہے جس کی طرف ان کے مخالفین اشارہ کرتے ہیں۔ (36)

متقدمین شاذلی صوفیہ کے ہاں تصور توحید اور اس کا شعور بہت حد تک ابن عربی کے نظریۂ توحید سے مماثل ہے۔ اگر چہ وہ اس کا اظہار تحریر و تقریر کی بجائے ذوق اور وجدان سے کرنے کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاذلیۃ نے ابن عربی کی تعلیمات کو نہ کبھی رد کیا اور نہ ہی اس کی تبلیغ کی تاہم اگر کسی نے شیخ اکبر پر تنقید کی تو اس کو ناپسند کیا۔ شیخ ابن عطاءاللہ اسکندری کا ابن تیمیہ کے ساتھ قاہرہ کے قلعہ میں مناظرہ اس سلسلے کی اہم کڑی ہے۔ابن تیمیہ جو کہ شیخ اکبر کے نظریات کے نقاد تھے ابن عطاءاللہ نے ابن تیمیہ کے ساتھ مناظرہ کیا اور ابن عربی کے دفاع میں دلائل پیش کئے اور اس بات پر زور دیا کہ ابن تیمیہ کا فہم دین

صرف الفاظ کے ظاہری معانی پر مبنی ہے اور وہ اس سلسلے میں ظاہری طرز فکر کے مالک ہیں۔ اس امر کی بازگشت ہمیں بعد کے شاذلی صوفیاء کے ہاں بھی نظر آتی ہے۔ شیخ احمد زروق ''شرح حزب البحر'' میں ابن تیمیہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے حزب البحر کا رد کیا ہے۔ ان کا یہ رد کئی اعتبار سے قابل توجہ نہیں ہے کیونکہ ابن تیمیہ اپنے حفظ اور اتقان کے حوالے سے ایک مسلم شخصیت ہیں لیکن ان کے عقیدہ پر طعن کیا گیا اور عقلی لحاظ سے اس میں کئی ایک نقائص موجود ہیں۔ عرفان تو بہت دور کی بات ہے یہی وجہ ہے جب امام تقی الدین سبکی سے علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا ''**هو رجلٌ علمه اكبر منه عقله**''(37) تاہم علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں متاخرین شاذلی مشائخ کا نقطہ نظر اتنا شدید دکھائی نہیں دیتا۔ خصوصاً شیخ محمد بن علی سنوسی (1787–1859ء) جو شیخ احمد بن ادریس (م 1253 / 1837) کے طریقہ محمدیہ سے منسلک تھے جو کہ شاذلیہ کی ہی ایک شاخ شمار کی جاتی ہے۔ شیخ احمد بن ادریس اور شیخ سنوسی دونوں نے شیخ اکبر کو اپنے مشائخ میں شمار کیا ہے اور اپنی تحریروں میں ان پر ہونے والی تنقید کا جواب دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ علامہ ابن تیمیہ کے انکار سے استفادہ کیا۔

شیخ احمد بن ادریس لکھتے ہیں کہ ابن عربی 736ھ میں وفات پا گئے۔ اب تقریباً آپ کے اور ان کے درمیان پانچ سو سال سے زیادہ کا وقت گزر چکا ہے۔ تو کیا آپ کے پاس شیخ اکبر نے بذات خود اس قسم کے دعویٰ کئے ہیں جو ان کی طرف منسوب کئے گئے اور جن کی بنیاد پر آپ ان پر کفر کا الزام لگاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی الزام تراشی سے منع فرمایا ہے۔ آپ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ابن العربی پر اس قسم کے الزامات عائد کریں کیونکہ شرعی طریقہ سے ان کو ثابت کرنا ممکن نہیں۔(38) اسی طرح شیخ احمد بن ادریس کے دلائل اور شیخ سنوسی کی کتب میں کئی ایک ایسے حوالے پائے جاتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ابن عربی کو اپنے روحانی پیشواؤں میں شمار کرتے ہیں۔ بایں ہمہ ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ وہ علامہ ابن تیمیہ پر بھی تنقید نہیں کرتے بلکہ ان کی گرانقدر علمی خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً شیخ سنوسی اپنی کتاب ''ایقاظ الوسنان'' کی ابتداء میں علامہ ابن تیمیہ کے افکار سے اقتباس لیتے ہیں اور اس کے قانونی وفقہی پہلوؤں کی ستائش کرتے ہیں جبکہ اس کتاب کا اختتام ابن عربی کی ''فتوحات مکیہ'' سے لئے گئے ایک اقتباس پر کرتے ہیں۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ شیخ سنوسی دونوں شیخ اکبر اور علامہ ابن تیمیہ کے افکار کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ماضی میں شاذلیہ اور ابن تیمیہ کے درمیان ہونے والی علمی مخاصمت کو بالائے طاق رکھ کر ان کے افکار سے دور حاضر میں

استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔[39]

حاصلِ بحث:

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ سلسلہ شاذلیہ کا آغاز ساتویں/ تیرہویں میں مغرب میں ہوا۔ اس عہد کے علمی، فکری اور سیاسی تمام پہلوؤں میں اس سلسلہ کے مشائخ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس سلسلہ کی پذیرائی معاشرہ کے خصوصاً درمیانی وتمدنی طبقہ جس کو آج مڈل کلاس اور سول سوسائٹی کہتے ہیں، میں ہوئی۔ اشرافیہ کو بھی اس سلسلہ نے خاص متاثر کیا۔ سلسلہ شاذلیہ میں چونکہ شریعت پر عمل کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اس لئے اس دور کے فقہاء ومحدثین میں اس سلسلہ کو خاص مقبولیت حاصل ہوئی۔ مغرب الاقصی سے پروان چڑھنے والا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ پورے شمالی افریقہ کا اہم ترین صوفی سلسلہ بن گیا۔ اس وقت شمالی افریقہ میں پائے جانے والے تمام صوفی سلاسل کسی نہ کسی حوالے سے شاذلیہ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ شاذلی مشائخ نے زمان ومکان کی رعایت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی تعلیمات ورسوم میں کئی ایک تبدیلیاں لائیں جس کی وجہ سے اس سلسلہ کو ایک فروغ نصیب ہوا۔ مغرب کے مشہور صوفی طرق خصوصاً حنفیہ، جزولیہ، درقاویہ، بوزیدیہ، وفاعیہ، زروقیہ، عسیاویہ، سنوسیہ، سلسلہ شاذلیہ کی شاخیں ہیں۔ عصر حاضر میں اس سلسلہ نے یورپ اور امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں اور مستشرقین کو بہت متاثر کیا ہے۔ شیخ احمد علوی الجزائری (م 1934ء) نے Rene Gueron المعروف شیخ عبدالواحد یحیٰ اور Frithet Schuon المعروف شیخ عیسیٰ نورالدین نے مغرب میں مسلم صوفی روایت کو جدید علمی انداز میں پیش کیا۔ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ یہ سلسلہ ابھی بھی فکری طور پر لوگوں کو متاثر کر رہا ہے اور اس سلسلے میں مربوط انداز میں سلسلہ شاذلیہ کی صوفی روایت پر علمی کام ہو رہا ہے۔

◆◆◆

حوالہ جات

1۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں:

(i) The Early History of Sufism in the Maghrib", Mackeen.A.M.M Journal of the Americal ※※(1258/(d.656 prior to al-Shadhil 408-pp.398((1971Oriental Society

(ii) Prayer and the:A Sufi Legacy in Tunis", McGregor. A.Richard J . vol,International Journal of Middle East Studies※※Shadhiliyya 277- 255.pp(1997,May) 2.No,29

(iii) ※※The Shadhiliyyah and Nort African Sufism", Victor,Danmer , Seyyed Hussein Nasr. ed, Manifestations:Islamic Spirituality at p.2848-pp.26※(1991, ISCM Press Ltd,London)

2۔ الکوھن، ابوعلی الحسن بن محمد الفاسی، طبقات الشاذلیہ الکبری، تحقیق: محمود الجمال، (القاھرہ، دار التوفیقیہ، ت ن)20

الزرکلی، خیر الدین، الأعلام، (بیروت، دار العلم للملایین، 1980ء)، 305/4؛ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذھب، (بیروت، المکتبۃ التجاری للطباعۃ والنشر والتوزیع)، 278/3

3۔ محمد بن مخلوف، شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ، تحقیق: عبدالمجید خیالی، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 2003ء، 236/1؛ المناوی، الکوکب الدریۃ فی تراجم السعادۃ الصوفیۃ او طبقات المناوی، تحقیق: عبدالحمید صالح حمدان، (قاہرہ، المکتبۃ الازھریۃ للتراث، 1994ء)، 645/1

4۔ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذھب فی أخبار من ذھب، 303/4؛ الزرکلی، الأعلام، 166/3؛ التنبکتی، احمد بابا بن احمد، نیل الابتھاج، (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1980ء)، 193، رقم 204؛ ابن الزیات، التشوف الی رجال التصوف واخبار ابی العباس السبتی، تحقیق: احمد التوفیق ابو یعقوب یوسف بن یحی التادلی، (رباط، منشورات کلیۃ الادب والعلوم الانسانیۃ، جامعہ محمد الخامس، 1984/1404)، 319-326، رقم 162؛ المناوی، الکواکب الدریۃ، 665-671/1

5۔ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذھب، 190-193/5؛ طاش کبری زادہ، احمد بن مصطفی، مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ، (حیدرآباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، 1329ھ)، 187/1؛ المناوی، عبدالرؤف، الکواکب الدریۃ، 159/3؛ الزرکلی، الأعلام، 281/6

6۔ حلاج کے حالات زندگی کے لئے ملاحظہ فرمائیں: السلمی، أبو عبدالرحمن، طبقات الصوفیۃ، تحقیق:

نورالدین شریبہ، (قاہرہ، مكتبۃ الخانجی، 1969ء)، 307؛ ابن الملقن، سراج الدین عمر بن علی المصری،طبقات الاولیاء،قاہرہ،مكتبۃ الخانجی،1973/1393،188,187؛الشعرانی،عبدالوھاب بن احمد،طبقات الکبری: لواقع الأنوار فی طبقات الأخیار، (قاہرہ، مکتبۃ ال آداب، 1993ء)، 1/108-107؛ ابن العماد الحنبلی، شذرات الذھب، 253-257/2؛ الزرکلی، الأعلام، 2/260

7۔ مخلوف،شجرۃالنورالزکیۃ،267-268/1

8۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،29

9۔ ابن العماد الحنبلی،شذرات الذھب،5/278

10۔ Douglas, Elmer H, The Mystical Teachings of al-Shadhli, New York : State University of New York, 259

11۔ المناوی،الکواکب الدریۃ،126-139/2

12۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،61؛ابن الصباغ،درۃالأسراروتحفۃالابرار،(قاہرہ،المکتبۃالازہریہ للتراث،2001)، 28؛المناوی،شجرۃالنورالزکیۃ،267/1

13۔ Danmer, Victor, "The Shadhiliyyah and Nort African Sufism" ※※ p.28

14۔ مخلوف،شجرۃالنورالزکیۃ،ص268

15۔ ابن عطاء اللہ الاسکندری، لطائف المنن، تحقیق: عبدالحلیم محمود، (قاہرہ، مطبعۃ حسان، 1974ء)، 1/128؛مخلوف،شجرۃالنورالزکیۃ،269/1

16۔ ابن عطاءاللہ الاسکندری،لطائف المنن،128/1

17۔ مخلوف،شجرۃالنورالزکیۃ،269/1

18۔ المناوی، الکواکب الدریۃ، 71-73/3؛ ابن حجر العسقلانی، الدرر الکامنۃ فی أعیان المئۃ الثامنۃ، تحقیق:محمد سید جادالحق،(قاہرہ،دارلکتب الحدیثیۃ،1966/1384)،185/5

19۔ مخلوف،شجرۃالنورالزکیۃ،292-293/1

20۔ Danmer, Victor, "The Shadhiliyyah p.31

21۔ شیخ ابوالحسن شاذلی اور شیخ مرسی دونوں شیوخ امام غزالی کی احیاءعلوم الدین کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔امام غزالی نے اپنی کتاب کی ابتداء میں عقیدہ کے بارے میں بیان کیا ہے جواشعری نظام فکر پر مشتمل ہے ارواس کی مزید وضاحت ہے۔شاذلیہ کے ہاں اس کی اہمیت مسلم ہے۔ بعد کے شاذلی مشائخ نے بھی اس پر خاص توجہ دی ہے۔خصوصاً شیخ احمد زروق (م 899/1493) نے شرح عقیدہ الامام الغزالی کے عنوان سے کتاب لکھی جومحمد عبدالقادر نصار نے تحقیق کے ساتھ قاہرہ سے 2007ء میں دارۃالکرز سے طبع کرائی ہے۔

22۔ مخلوف،شجرۃ النور الزکیۃ،269/1؛الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،45,44

23۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،25

24۔ مسلم بن حجاج،الصحیح،کتاب الاشربۃ،باب بیان أن کل مسکر خمر وان کل خمر حرام،حدیث رقم:5216

25۔ ابن عطاء اللہ،لطائف المنن،254-255

26۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،38

27۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،39

28۔ ابن عطاء اللہ الاسکندری،التنویر فی اسقاط التدبیر،(مکتبہ عباس شقرون،تاریخ ندارد)،12

29۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،47,46

30۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،46

31۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،23

32۔ الکوھن،طبقات الشاذلیۃ الکبری،68

33۔ شیخ احمد زروق نے اصول الطریقہ میں یہ پانچ اصول شاذلیہ ذکر کئے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

a Guide in the Way and a Leader: Zarruq the Sufi, Ali Fahmi,Khushaim
A Biographical and Critical Study of a Mysfic from:to the Truth
(1976, General Company for Publication:Tripoli),North Africa
53-50

34۔ مخلوف نے ان تینوں مشائخ کو طبقات مالکیہ میں شمار کیا ہے۔مخلوف:شجرۃ النور الزکیۃ،292-293,
269-267

35۔ المناوی،الکواکب الدریۃ،193-196/2

36۔ زروق،احمد،قواعد التصوف،تحقیق:ابراہیم الیعقوبی،(مطبعۃ الملاح،1968ء)،48

37۔ زروق،احمد،شرح حزب البحر،تحقیق:احمد فرید المزیدی،(قاھرہ،دار جوامع الکلم،تاریخ ندارد)،34

38۔ Muhammad b: Sufi and Scholar on the Desert Edge, Kunt S,Vikor .
115(1995, Hurst,London),Ali al-Sanusi and his Brotherhood

39۔ السنوسی،محمد بن علی،''ایقاظ الوسنان''،المجموعہ المختارۃ،تحقیق:محمد عبدو ابن غلبون،(مانچسٹر،1940ء)،
146,145

◆◆◆

مقامِ شکر در کشف المحجوب

ڈاکٹر محمد صابر☆

ڈاکٹر غلام اکبر☆☆

Abstract:

"Shukkr" is the most important prayer of Allah Taala. In this, the Individual expresses his humbleness and says gratitude to God for his obligation. Shukkr is the main quality of those Muslims who loved Allah. The mystics(Sofia(always practice this in their all disciplines of lives. The need and importance of Shukkr has also been described in the Holy Quran and Hadith-e-Nabvi. Shukkr brings the person nearby his master. Allah Ta'ala always helps those persons who pay Shukkr at any stage and time of his life. The Shukkr creates the humbleness, submissiveness and obedience in the human beings. In this world all types of creatures always pay Shukkr to their God.

Key Words:

Shukkr, Prayer, humbleness, gratitude, Mystics, Holy Quran, Hadith-e-Nabvi, Persons, Perform

سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری پانچویں صدی ہجری قمری کے غزنوی عہد کے معروف صوفی اور عارف تھے۔جن کا تعلق افغانستان کے شہر غزنہ کے دو گاؤں جلاب اور ہجویر سے تھا۔آپ کے حالات زندگی کے بارے بہت ہی کم معلومات ملتی ہیں۔آپ کے بارے تھوڑا بہت آپ ہی کی کتاب کشف

☆ اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ فارسی،اورینٹل کالج،پنجاب یونیورسٹی،لاہور

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ فارسی،گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،فیصل آباد

المجوب سے پتا چلتا ہے کہ آپ ابوالعباس شقانی کے شاگرد تھے اور طریقتِ تصوف میں ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی کے پیرو تھے، ختلی جوحسن بصری کے مرید تھے۔ آپ نے تصوف میں بعض تعلیمات ابوالقاسم الجرجانی اور خواجہ ابوالمظفر احمد بن حمدان سے حاصل کیں اور ابوالقاسم القشیری جو آپ کے ہم عصر تھے، ان سے عقیدت تھی۔

آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم وتربیت غزنہ سے حاصل کی پھر اپنے زمانے کے مختلف علوم سیکھنے کے لئے ماوراء النہر، آذر بائیجان، خراسان، نیشاپور، سرخس، طوس، شام، عراق، خوزستان، فارس، فرغانہ، میہنہ، مرو، ترکستان اور ہندوستان کا سفر کیا اور اس سفر کے دوران ممتاز علماء اور مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور اُن سے کسبِ فیض کیا۔

آپ کے بارے بعض روایات میں ہے کہ مسعود غزنوی کے عہد میں ۴۳۱ ہجری قمری میں سر زمین لاہور تشریف لائے اور برصغیر پاکستان وہند کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ اسی طرح آپ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق آپ نے ۴۸۱ سے ۵۰۰ ہجری قمری کے درمیان وفات پائی، جبکہ کچھ روایات کے مطابق ۴۶۵ سے ۴۶۹ ہجری قمری کے درمیان لاہور میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

آثار:

ہجویری نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے کچھ اُن کی زندگی میں اور کچھ اُن کی وفات کے بعد دستبردِ زمانہ ہوگئیں۔ اُن میں سے فقط کشف المجوب ہی ملتی ہے۔ آپ کی تالیفات کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ کشف المجوب
۲۔ دیوان شعری
۳۔ کتاب فنا وبقا
۴۔ اسرار الخرق والملونات
۵۔ البیان لاہل العیان
۶۔ منہاج الدین

۷۔ ایمان

۸۔ الرعایۃ بحقوق اللہ تعالیٰ

۹۔ نحوالقلوب

۱۰۔ کتاب در شرح کلام حلاج

کشف المحجوب سید علی ہجویری کی فارسی زبان میں تصوف کی اہم ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ آپ نے یہ کتاب اپنے ہم وطن ابوسعید غزنوی کے تصوف اور صوفیا کے بارے پوچھے گئے سوالات کے جوابات میں لکھی جس میں قرآنی آیات، احادیث اور صوفیائے کرام کے اقوال جا بجا نقل کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا سالِ تالیف بھی مشخص نہیں بلکہ قرائن سے پتا چلتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا آغاز ۴۶۵ ہجری قمری سے پہلے ہوا اور یہ ۴۶۹ ہجری قمری کے بعد مکمل ہوئی۔ عطار نے تذکرۃ الاولیا اور جامی نے نفحات الانس میں اس کتاب سے استفادہ کیا۔

شکر تصوف کی اصطلاحات اور مقامات میں سے ایک ہے۔ جس کو فارسی زبان کے مختلف صوفی اور عارف شعراء نے بھی اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ ابوالمجد مجدود بن آدم متخلص بہ سنائی نے ''شکر'' کا یوں ذکر کیا ہے۔ مثال:

صد سجدهٔ شکر از دل و از جان به تو آرد
او را ز چه داری تو فگار ای پسر خوش
(ص۴۲۱)

مولانا جلال الدین رومی نے اپنے دیوان میں ''شکر'' کو یوں بیان کیا ہے۔ مثال:

گه شکر آن مولی کند، گه آه واویلی کند
گه خدمت لیلی کند، گه مست و مجنونِ خدا
(ص۶۰)

حافظ شیرازی نے بھی ''شکر'' کا بارہا اپنے کلام میں ذکر کیا ہے۔ مثال:

شکرِ خدا که از مددِ بختِ سازگار
بر حسبِ آرزوست همه کار وبارِ دوست
(ص۸۴)

کشف المحجوب میں شکر کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ تقریباً سبھی جگہوں پر کلمۂ شکر لغوی مفہوم میں ہی استعمال کیا گیا ہے۔ہم ذیل میں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

☆۔ سید علی ہجویری،فقر وغنا کی فضیلت کے بارے مشائخ کا اختلاف میں شکر کا یوں ذکر کرتے ہیں:

عوام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ''ہم صاحبِ دولت کو ایک درویش سے بہتر سمجھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے دونوں جہانوں میں سعادت مند پیدا کیا ہے اور مال و دولت کے ساتھ اُس پر احسان کیا ہے'' ۔اُس گروہ نے غنا سے کثرتِ مال،حصولِ مراد اور خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل مراد لی ہے اور اس پر دلیل پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غنا پر شکر کرنے کا حکم دیا ہے اور فقر پر صبر کرنے کا۔ظاہر ہے کہ صبر مصیبت پر ہوتا ہے اور شکر نعمتوں پر اور نعمتیں بہر حال مصیبتوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ خدا نے نعمت پر شکر کا حکم دیا اور شکر کو نعمت کی زیادتی کا سبب قرار دیا۔پھر فقر پر صبر کا حکم فرمایا اور صبر کو قرب کی زیادتی کا ذریعہ گردانا اور فرمایا: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (سورۂ ابراہیم، آیت:۷) (اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا) اور یہ بھی فرمایا: انَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورۂ البقرہ، آیت: ۱۵۳و۲۴۹؛ سورۂ الانفعال، آیت:۴۶) (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ ہر وہ شخص جو ایسی نعمت پر شکر کرے جس کی بنیاد غفلت پر ہو، ہم اُس کی غفلت پر غفلت زیادہ کریں گے اور ہر وہ شخص جو ہر ایسے فقر پر صبر کرے، جس کی بنیاد آزمائش پر ہو، ہم اس کے قرب پر قرب زیادہ کریں گے۔(ص ۳۳)

☆۔ آپ، گدڑی کی اہمیت میں شکر کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

لباس کے بارے میں اصل حقیقت یہ ہے کہ جب صوفی ایک مقام سے دوسرے مقام میں داخل ہوتا ہے تو اپنا لباس تبدیل کر لیتا ہے اور یہ ترقی درجات کے لیے اظہارِ شکر کا ایک انداز ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ معمولی لباس ایک مقام کے لیے ہوتا ہے مگر خرقۂ فقر وصفا کے تمام مقامات کے لیے۔اسے ردّ کرنا تمام طریقت کو ردّ کرنے کے مترادف ہے۔(ص ۷۶)

☆۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذکر میں شکر کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں یہ روایت بھی کی گئی ہے: **اللھم البسط لی الدنیا وزاھدنی فیھا**۔ (اے اللہ! دنیا میرے اوپر فراغ کر اور اس میں مجھے زُھد عنایت فرما)۔اس چیز میں ایک رمز ہے، پہلے دنیا مانگی تا کہ شکر بجالائیں۔پھر توفیق مانگی کہ صرف خدا کے لیے اس سے دست بردار ہوسکیں تا کہ مقامِ شکر و انفاق بھی حاصل ہو اور مقام صبر بھی اور فقر کی بنیاد اختیار پر ہو اور اضطرار کا اس میں

دخل نہ ہو۔(ص ۹۷)

☆۔ آپ حضرت ابوالحسن علی بن حسین بن ابی طالب کے ذکر میں شکر کے بارے یوں بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوالحسن علی بن حسین بن ابی طالبؓ کے بارے میں روایت بیان کرتے ہیں کہ جب یزید کے لشکر نے حضرت امام حسینؓ کوان کے فرزندوں،عزیزوں اور قریبی ساتھیوں سمیت میدانِ کربلا میں شہید کردیا اور حضرت زین العابدینؒ کے سوا کوئی مرد باقی نہ رہا، جوعورتوں کی نگرانی کرتا۔اس وقت آپ بیمار تھے اور حضرت امیر المؤمنینؓ آپ کو علی اصغرؓ کہتے تھے۔جب ان کو بے کجاوہ اونٹوں پرسوار کر کے دمشق میں یزید بن معاویہ کے سامنے لایا گیا۔''اخزاہ اللہ تعالیٰ''(خدا اسے رسوا کرے) تو ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔''کیف اصبحتم یاعلی ویااھل بیت الرحمۃ؟! قال اصبحنا من قومنا بمنزلہ قوم موسی من آل فرعون، یذبحون ابناء نا ویستحیون نساء نا فلا ندری صباحنا من مساء نا وھذا من حقیقۃ بلاء نا''۔(اے علی!اے اہل بیت رحمن!تم نے صبح کیسے کی؟تو آپ نے فرمایا: ہم نے اپنی قوم کے ظلم سے بالکل ویسی صبح کی جیسی قوم موسیٰ نے قوم فرعون کے ظلم سے کی تھی کہ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتے تھے تاکہ انہیں غلام بنالیں۔پس ہمیں صبح کی پہچان ہے نہ شام کی۔پس یہ حقیقت ہے ہماری مصیبت کی)۔ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔(ص ۱۱۱)

☆۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ کے ذکر میں شکر کے بارے یوں بیان کرتے ہیں:

وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک رات پیغمبر(ص) بستر سے اُٹھے اور میرے کمرے سے چلے گئے۔میں نے خیال کیا کہ وہ شاید اپنی کسی اور زوجہ محترمہ کے پاس چلے گئے ہیں۔حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اُٹھی اور آپ کے پیچھے پیچھے گئی۔میں نے آپ کو نماز کی حالت میں کھڑے پایا۔آپ (ص) کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔یہاں تک کہ حضرت بلال (رض) آ گئے۔انہوں نے فجر کی اذان دی۔آپ (ص) نے نماز پڑھی۔فجر کی نماز پڑھنے کے بعد آپ (ص) حجرے میں آئے۔میں نے دیکھا آپ (ص) کے دونوں پاؤں سوجے ہوئے تھے اور آپ (ص) کی انگلیوں کے پوروں سے زرد پانی جاری تھا۔میں نے روتے ہوئے کہا یارسول اللہ آپ (ص) کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔آپ (ص) اتنی تکلیف کیوں اُٹھاتے ہیں۔یہ کام وہ شخص

کرے جس کی آخرت محفوظ نہ ہو۔ آپ (ص) نے فرمایا: اے عائشہ! یہ سب اللہ جل جلالہ کا فضل، احسان اور لطف ونعمت ہے۔ ''افلا اکون عبداً شکوراً'' (کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں)، جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم کیا ہے تو مجھے بھی بندگی کے راستے میں اپنی طاقت کے مطابق رہِ شکر میں نعمت کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ (ص ۱۵۰۔۱۵۱)

☆۔ ہجویری صوفیہ کے فرقے میں شکر کے بارے لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل میں ایک عبادت گذار شخص تھا۔ جس نے چار سو سال عبادت میں گزارے تھے۔ ایک دن اس نے کہا، خدایا! اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے اور تو نے انہیں پیدا نہ کیا ہوتا تو بڑے بندوں کے لیے سیاحت پر جانا زیادہ آسان نہ ہوتا۔ اپنے وقت کے پیغمبر کو یہ فرمان آیا کہ اس عابد سے کہو، ہمارے ملک میں تصرف کرنے کا تجھے کیا کام؟ اب تو نے چونکہ تصرف کیا ہے اس لیے تیرا نام سعادت مندوں کے دیوان سے کاٹ کر بدبختیوں کے دیوان میں لکھ دیا ہے۔ عابد کا دل اس سے بہت خوش ہوا۔ خدائے بزرگ وبرتر کے حضور سجدۂ شکر بجالایا۔ پیغمبر وقت نے کہا اے شیخ! بدبختی پر شکر واجب نہیں ہوتا۔ اس نے کہا میں اس بدبختی پر شکر ادا نہیں کر رہا۔ میرا شکر اس بات پر ہے کہ میرا نام اس کے کسی دیوان میں تو ہے...... (ص ۲۹۱)

☆۔ توبہ کے بعد ارتکابِ گناہ میں شکر کے بارے یوں کہا ہے:

میں نے سنا کہ ایک شخص نے گناہوں سے توبہ کر لی۔ اس کے بعد اس سے گناہ پھر سرزد ہو گیا، جس سے وہ بہت شرمندہ ہوا۔ ایک دن اس نے اپنے دل میں کہا اب اگر میں دوبارہ توبہ کر کے راہ صواب اختیار کروں تو میرا کیا حال ہوگا تو غیب سے آواز آئی۔

''**اطعتنا، فشکرناک، ثم ترکتنا فأمهلناک، فان عدت إلینا قبلناک**'' (تو نے ہماری اطاعت کی، ہم نے تیرا شکریہ ادا کیا، پھر تم نے بے وفائی کی اور ہمیں چھوڑ دیا تو ہم نے پھر تجھے مہلت دی)۔ اب تو اگر توبہ کر کے ہماری طرف آئے تو ہم تجھے پھر قبول کر لیں گے۔ (ص ۴۳۵)

☆۔ نماز کے بیان میں شکر کے بارے یوں کہتے ہیں:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حاتم اصمؒ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح ادا فرماتے ہیں تو آپ نے جواب دیا۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو میں ایک وضو ظاہر کا کرتا ہوں اور دوسرا باطن کا۔ ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے کرتا ہوں۔ پھر مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور مسجد بیت الحرام کا

مشاہدہ کرتا ہوں اور مقام ابراہیمؑ کو اپنے دونوں ابروؤں کے سامنے رکھتا ہوں اور بہشت کو دائیں طرف اور دوزخ کو بائیں طرف سمجھتا ہوں اور صراط اپنے قدموں کے نیچے رکھتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ موت کا فرشتہ میری پیٹھ کے پیچھے ہے۔ پھر نہایت عظمت واحترام سے تکبیر پڑھتا ہوں، بڑی حرمت سے نماز کے لیے قیام کرتا ہوں، ہیبت کے ساتھ قرأت اور خاکساری سے رکوع میں جاتا ہوں، عاجزی سے سجدہ کرتا ہوں، بڑے وقار کے ساتھ قعود کی رسم ادا کرتا ہوں۔ پھر آخر میں خدا کا شکر بجالاتے ہوئے سلام پھیرتا ہوں۔(ص ۴۴۰)

☆۔ نماز کے بیان میں اہلِ طریقت کے لیے نماز کے فوائد کے بارے شکر کا یوں ذکر کرتے ہیں:

میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ نماز خدا کا حکم ہے۔ وہ حضور یا غیبت کا ذریعہ نہیں ہے کیونکہ حکم الٰہی کسی چیز کا ذریعہ نہیں ہوتا...... لہٰذا مجاہدہ کرنے والے اور اہل استقامت بکثرت نماز پڑھتے ہیں اور اس کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض بزرگوں نے اپنے مریدوں کو دن رات میں چار چار سو رکعات کا حکم دیا ہے تاکہ ان کا جسم عبادت کا عادی بن جائے۔ اہل استقامت بھی قبولیت حضور کے شکرانے میں بکثرت نمازیں پڑھتے ہیں۔(ص ۴۴۱)

☆۔ زکوۃ کے بیان پر شکر کے بارے یوں کہتے ہیں:

کسی نعمت پر زکوۃ ادا کرنے کی حقیقت اس نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا ہے۔ اسی طرح تندرستی بھی نعمت ہے اور اس پر ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ زکوۃ ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ تمام اعضاء کو عبادتِ الٰہی میں مشغول رکھا جائے اور ان کو کھیل کود میں نہ لگائیں تاکہ نعمت کی زکوۃ کا حق ادا ہوجائے۔ اگر حاکم ہو تو انصاف کرے اور عالم ومفتی ہو تو رعایت واخلاص سے مسائلِ حق بیان کرے۔ اسی طرح باطن کی نعمت کی زکوۃ بھی واجب ہے لیکن اس کی کثرت کی وجہ سے اس کی حقیقت کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ اس میں اس کے لائق زکوۃ وہ ظاہری اور باطنی نعمت کا عرفان ہے۔ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی بے حساب نعمتوں کا ادراک ہوجاتا ہے تو وہ اسی نسبت سے بے شمار شکر بھی ادا کرتا ہے۔ یہ بے شمار شکر بے حساب نعمت کی زکوۃ ہے۔(ص ۴۵۹، ۴۶۰)

☆۔ سفر وحضر کے آداب میں شکر کے بارے یوں لکھتے ہیں:

پس مرید کے لیے سونے کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی نیند کی ابتدا کو اپنی عمر کے آخری وقت کی طرح جانے، گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے مخالف اور روٹھے ہوئے لوگوں کو راضی کرے۔ طہارت کرے

اور داہنے ہاتھ قبلہ رخ ہو کر سوئے۔ دنیا کے کام ٹھیک کرے۔ اس بات کا شکر ادا کرے کہ خداوند تعالیٰ نے اسے اسلام کی نعمت سے نوازا ہے۔(ص ۵۲۰)

☆۔ خاموشی اور کلام کے آداب میں شکر کے بارے یوں بیان کرتے ہیں:

خداوند تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اس کی نعمتوں اور نوازشوں پر شکر اور حمد وثنا کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''واما بنعمة ربک فحدث''(سورۃ الضحیٰ ،آیت :۱۱)(لیکن اپنے رب کی نعمت بیان کر)اس کی نعمتوں پر شکر اور حمد وثنا ہی کلام ہے۔ پس ہمارا بولنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل وتعظیم ہے۔ (ص ۵۲۳)

☆۔ نکاح کرنے اور مجرد رہنے کے آداب کے بارے یوں بیان کیا ہے:

حضرت ابراہیم خواص سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں کسی بزرگ کی زیارت کے ارادے سے اس کے گاؤں گیا۔ جب میں اس کے گھر داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ گھر اتنا پاکیزہ ہے جیسے اولیاء کا عبادت خانہ۔ اس کے گھر کے دونوں کونوں میں دو محراب بنائے ہوئے ہیں۔ ایک محراب میں بزرگ بیٹھے ہیں اور دوسرے محراب میں ایک پاکیزہ اخلاق بڑھیا بیٹھی ہے اور زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے دونوں کمزور ہو گئے ہیں۔ میرے آنے پر انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ میں وہاں تین دن رہا۔ جب واپس آنے لگا تو اس بزرگ سے پوچھا کہ اس پاکدامن بڑھیا کا آپ سے کیا رشتہ ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میری چچازاد اور بیوی ہے۔ میں نے کہا کہ میں تین دن آپ کے پاس رہا لیکن ان کو اجنبی سمجھا۔ بزرگ نے فرمایا کہ ہاں پینسٹھ سال سے یہی حال ہے۔ میں نے وجہ پوچھی کہ ایسا کیوں ہے۔ آپ نے فرمایا بچپن میں ہم ایک دوسرے پر عاشق تھے۔ ان کا والد ان کا نکاح مجھ سے نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ ہماری محبت کا انہیں معلوم ہو گیا تھا۔ ایک عرصہ تک ہم پریشان رہے۔ آخر کار ان کے والد فوت ہو گئے میرے والد اِن کے تایا تھے، اس لیے انہوں نے مجھ سے نکاح کر دیا۔ جب پہلی رات ہم ایک دوسرے سے ملے تو اس نے مجھ سے کہا کہ تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نعمت ہم کو عطا کی ہے کہ جس نے ہمیں ایک دوسرے سے ملایا اور ہمارے دلوں کو آفتوں اور خوف سے دور کر دیا۔ میں نے کہا ہاں! کیوں نہیں۔ پس اس نے کہا ہمیں آج رات اپنے آپ کو خواہش نفس سے روکنا ہے۔ نفس کی مراد کو پامال کرنا ہے اور اس نعمت کے شکریے میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ میں نے کہا بہت بہتر۔ دوسری رات بھی اس نے ایسا کیا۔ تیسری رات میں نے کہا کہ دو راتیں تو ہم نے تیرے کہنے پر نعمت الٰہی کا شکریہ ادا کیا۔ آج رات

میرے کہنے پر آ ؤ، اللہ کی عبادت کریں۔ چنانچہ اب پینسٹھ سال ہوئے ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے کو نہیں چھوا اور ساری عمر اس نعمت کے شکر میں گزار رہے ہیں۔(ص ۵۳۱، ۵۳۲)

☆۔ سماع میں صوفیہ کے مراتب کے بارے شکر کا یوں ذکر کرتے ہیں:

حضرت جنیدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر ہم عبرت کے طور پر گرجے میں چلے جائیں اور اس سے مراد کافروں کی ذلت کو دیکھنا اور اسلام کی نعمت پر شکر ادا کرنا ہو تو کیا یہ جائز ہوگا۔ آپ نے فرمایا اگر تم گرجے میں اس طرح جا سکتے ہو کہ تم باہر نکلو تو ان میں سے چند آدمیوں کو اپنے ساتھ درگاہِ حق میں لا سکو تو چلے جاؤ ورنہ نہیں۔(ص ۵۹۷)

◆◆◆

حوالہ جات

☆۔ احمد،ظہورالدین (۱۹۶۴ء)، پاکستان میں فارسی ادب، لاہور: یونیورسٹی بک ڈپو

☆۔ تسبیحی، محمد حسین (۱۹۹۹ء) تحلیل کشف المحجوب وتحقیق در احوال وآثار حضرت داتا گنج بخش ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری، ہجویری چیئر، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

☆۔ جامی، نورالدین عبدالرحمان (۱۳۸۲ش) نفحات الانس من حضرات القدس، با مقدمہ وتصحیح ڈاکٹر محمود عابدی، موسسۂ اطلاعات، تہران۔

☆۔ رومی، مولانا جلال الدین محمد مولوی (۱۳۸۲ش)، کلیات شمس تبریزی، بدیع الزمان فروزانفر، امیر کبیر، تہران۔

☆۔ سنائی، ابوالمجد مجدود بن آدم (۱۳۸۱ش)، دیوان حکیم سنائی، بہ کوشش بدیع الزمان فروزانفر، انتشارات نگاہ، تہران۔

☆۔ شیرازی، خواجہ شمس الدین محمد حافظ (۱۳۷۸ش)، دیوان غزلیات حافظ، بہ کوشش ڈاکٹر خلیل خطیب رہبر، صفی علی شاہ، تہران۔

☆۔ صفا، ذبیح اللہ (۱۳۷۱ش)، تاریخ ادبیات در ایران، فردوس، تہران۔

☆۔ عبدالرحمن، سید صباح الدین (۱۹۹۰ء)، بزم صوفیہ، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔

☆۔ عطار، فریدالدین (۱۳۷۰ش)، تذکرۃ الاولیاء، بہ سعی وتصحیح رنولد الن نیکلسن، دنیای کتاب، تہران۔

☆۔ ہجویری، ابوالحسن علی بن عثمان (۱۳۸۴ش)، کشف المحجوب، مقدمہ تصحیح وتعلیقات ڈاکٹر محمود عابدی، سروش، تہران۔

☆۔ ایضاً (۲۰۰۱ء) مترجم ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔

☆۔ ایضاً (۲۰۰۷ء) مترجم ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی، سنگ میل پبلیشر، لاہور۔

•••